۱۳۹

ایڈگر ایلن پو — ابن انشا

۲۰۵۵۶

کہانیاں تصویریں

ایلن پو
کہانیاں

وہ بیضوی تصویر

ایڈگر ایلن پو

ابن انشا

شیش محل کتاب گھر

شیش محل روڈ

لاہور نمبر ۲

This is a translation of a group of stories by Edgar Allan Poe, first published in the United States of America in various periodicals
1838-1849.

کتب خانہ
بافلہ نمبر ۲۰۵۵۹
طبع
اورنٹل کالج لاہور

طبع دوم جون ۱۹۶۲ء

طابع و ناشر سعید قاسم محمود

مطبع گلزار عالم پریس۔ لاہور

سرورق فوٹو آرٹ پریس۔ لاہور

تعداد دو ہزار

قیمت ایک روپیہ اٹھ آنہ

ناشر
شیش محل کتاب گھر
بہ اشتراکت
فرنیکلن بک سوسائٹی لاہور ـــــ نیویارک

۲۰۵۵۹
۱۳-۹
۷۲

تعارف

یہ ایڈگر ایلن پو کے افسانوں کا دوسرا مجموعہ ہے۔ اس میں پانچ کہانیاں شامل ہیں "سنہری گھونگا" اس کی مشہور کہانی ہے۔ پو نے نگرانہم میگزین کے قارئین کو چیلنج کیا کہ آپ کوئی بھی چیستان بھیجیے، میں حل کر دوں گا۔ چنانچہ قارئین نے اس قسم کے معمے اور گورکھ دھندے جن کی ایک مثال "سنہری گھونگا" میں شامل ہے، بھیجنے شروع کئے اور پو نے سب حل کر دیئے۔ اس کہانی پہ اس نے ایک انعامی مقابلے میں ایک سو ڈالر کا انعام حاصل کیا، اور جب اس کہانی کے عنوان پر اس کے افسانوں کا مجموعہ شائع ہوا تو چھپتے ہی تین لاکھ جلدیں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئیں۔

باقی چار افسانوں کی صراحت خود مصنف نے یوں کی ہے:۔

کالی بلی - مکان جل گیا، لیکن دیوار پر جس میں میں نے قہر و غضب کے عالم میں اس بلی کو چن دیا تھا، اس کی شبیہ ابھر آئی، یہ مجبور و مقہور حیوان آخر انتقام لے کر رہا۔

گرداب فنا کی آغوش میں - ادھر میری انگلی کی سیدھ میں دیکھو۔ وہ کف آلود گھومتا کنواں۔ مچھیرے طوفان کے وقت سے پہلے واپس آجاتے ہیں لیکن اس روز میری گھڑی بند ہو گئی تھی۔ اس مہا بھنور کا جوف۔ پناہ بخدا میرے

بال ایک رات میں سیاہ سے سفید ہوتے ہیں۔

زندہ درگور۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سکتے کے مریض کو مُردہ سمجھ کر تابوت میں بند کر کے مٹی کے نیچے دفن کر دیا جاتا ہے۔ ہوش بحال ہونے پر اس کی نفسی کیفیت کیا ہوگی یہ صرف وہی بتا سکتا ہے جس پر گذری ہو۔

وہ بیضوی تصویر۔ تصویر بن گئی۔ اور مصوّر نے اس کے گالوں میں لالی بھر دی۔ لیکن کس کے گالوں سے چھین کے؟

امید ہے کہ ایڈگر پو کے شاہکار افسانوں کے ساتھ ساتھ ابنِ انشا کا ترجمہ بھی آپ کو پسند آئے گا۔ آپ کی رائے کا انتظار رہے گا

ناظم ششیش محل

فہرست

۱۔	سُنہری گھونگا	۹
۲۔	کالی بلّی	۶۵
۳۔	گردابِ فنا کی آغوش میں	۸۲
۴۔	زندہ درگور	۱۱۰
۵۔	وہ بیضوی تصویر	۱۳۵

(۱)

سُنہری گھونگا

برسوں پہلے کی بات ہے کہ ولیم لیگراں نامی ایک صاحب سے جو ایک قدیم معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے، میرا دوستانہ ہو گیا۔ یہ صاحب ایک زمانے میں اچھے متمول آدمی تھے لیکن سدا کسی ایک سی نہیں رہتی۔ قسمت نے انھیں کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا اور ایک دن ایسا آیا کہ غریبی اور فلاکت کی خواری سے بچنے کے لیے آبا و اجداد کے شہر نیو اورلیان کی اقامت ترک کر کے جنوبی کرولینا میں چارلسٹن کے قریب سلیوان کے جزیرے میں پناہ گزیں ہوئے۔

یہ جزیرہ کیا ہے کوئی تین میل لمبی بالو کی ایک پٹی ہے جس کا عرض کہیں چوتھائی میل سے زیادہ نہیں۔ خشکی سے اس کو ایک برائے نام کی خلیج جدا کرتی ہے جو سرکنڈوں اور دلدل میں سے ہوتی ہوئی دور تک چلی گئی ہے۔ یہ جگہ مرغابیوں کی جنت ہے۔ یہاں پودے اور جھاڑیاں اول تو بہت کم ہیں اور ہیں تو بہت چھوٹی چھوٹی۔ یہاں آپ کو کوئی بڑا درخت دکھائی نہ دے گا۔ مغربی کنارے کے قریب جہاں قلعہ مولٹری واقع ہے،

بعض خستہ حال عمارتیں کھڑی ہیں جن میں گرمیوں کے دنوں میں چارلسٹن کے لوگ گرد و غبار اور بخار سے پناہ مانگتے ہوئے آ ٹھہرتے ہیں۔ اس جگہ تھوہر وغیرہ کے پیڑ البتہ کافی ہیں۔ مغربی حصے اور ساحل سمندر کی سخت اور سفید پٹی کو چھوڑ کر باقی سارا جزیرہ مہندی کی گھنی جھاڑیوں سے ٹپا پڑا ہے۔ یہ جھاڑیاں اکثر جگہ پندرہ بیس بیس فٹ اونچی چلی گئی ہیں اور ان کے گھنے اور ناقابلِ گزر جنگل بن گئے ہیں۔ فضا اُن کی بھینی بھینی مہک سے معمور رہتی ہے۔

ان جھاڑیوں کے عین وسط میں لیگراں نے اپنے لیے ایک مقام پر گھر بنا رکھا تھا جو جزیرے کے مشرقی یعنی پہلی طرف کے کنارے سے کچھ بہت فاصلے پر نہیں تھا۔ ہماری پہلی اور اتفاقیہ ملاقات کے وقت وہ اسی مکان میں رہتا تھا۔ ہماری صاحب سلامت جلد ہی دوستی میں تبدیل ہو گئی، کیونکہ اس عزلت گزیں شخص میں کئی باتیں ایسی تھیں کہ اس سے دلچسپی اور لگاؤ کا پیدا ہو جانا قدرتی تھا۔ وہ اچھا پڑھا لکھا آدمی تھا۔ بہت ذہین اور ہوشیار بھی، لیکن تھوڑی سی مردم بیزاری بھی اس میں تھی۔ طبیعت عجب تھی۔ گھڑی میں شگفتہ اور گھڑی میں اداس۔ اس کے پاس کتابوں کا بھی معقول ذخیرہ تھا، لیکن پڑھتا بہت کم تھا۔ زیادہ وقت تو وہ بندوق یا بنسی لئے شکار کھیلنے میں لگا رہتا تھا یا پھر ساحل کے ساتھ ساتھ یا مہندی کی جھاڑیوں کے درمیان سیپیوں گھونگوں اور انواع و اقسام کے کیڑوں کی تلاش میں گھومتا رہتا تھا۔ اس سیر و گشت میں جیوپیٹر نام کا ایک بوڑھا حبشی خادم بالعموم اس کے ہمراہ رہتا تھا۔ اُسے اِس خاندان پر پُرکھوں سے آنے سے پہلے ہی آزاد کر دیا گیا تھا لیکن چھوٹے صاحب، یا 'میان ولیم' سے اُسے کچھ ایسا اُنس ہو گیا تھا کہ وہ اسی کے ساتھ لگا رہتا اپنا حق سمجھتا تھا اور کسی خوف یا لالچ سے اسے چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔ عین ممکن ہے کہ لیگراں کے رشتہ داروں ہی نے، جو اُسے خللِ دماغ سے بری نہ سمجھتے تھے، جیوپیٹر کو نگرانی کے لئے اس پر

مسلّط کر رکھا ہو۔

جزیرہ سلیوان میں شدید جاڑا کم ہی پڑتا ہے اور خزاں کے دنوں میں شاید ہی کبھی تاپنے کے لیے آگ جلانے کی ضرورت پڑتی ہو، تاہم اکتوبر ۱۸۰۰ء کے وسط میں ایک روز خوب کڑاکے کی سردی پڑی۔ اُس روز مغرب آفتاب سے کچھ پہلے میں سدا بہار جھاڑیوں میں سے راستہ کاٹتا ہوا اپنے دوست کے مکان پر پہنچا جس سے ملے ہوئے مجھے کئی ہفتے ہو گئے تھے۔ میں ان دنوں اس جزیرے سے کوئی نو میل دور چارلسٹن میں رہتا تھا اور اس مقام تک آمد و رفت کے ذرائع بھی اُن دنوں آج کے سے اچھے نہیں تھے۔ دروازے پر پہنچ کر میں نے اپنے معمول کے مطابق دستک دی لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ مجھے معلوم تھا کہ چابی کہاں رکھی جاتی ہے۔ چنانچہ میں نے چابی لی اور دروازہ کھول کے اندر چلا گیا۔ آتشدان میں بڑے مزے کی آگ جل رہی تھی۔ اس سردی میں یہ ایک نعمت معلوم ہوئی۔ میں نے اپنا اوورکوٹ اتار کر ایک طرف ڈالا اور آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے ٹھٹھوں کے قریب کھینچ کر اپنے میزبانوں کا انتظار کرنے لگا۔

یہ لوگ جھٹ پٹ ہونے کے تھوڑی دیر بعد آ پہنچے اور بہت گرم جوشی سے دعا سلام ہوئی۔ جیوپیٹر کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ اور وہ فوراً کھانے کے لئے کچھ مرغابیاں تیار کرنے میں جُٹ گیا۔ لیگراں کا غنچۂ دل بھی اس وقت کھلا ہوا تھا۔ بات یہ تھی کہ اسے نامعلوم قسم کا ایک سیپ ہاتھ آگیا تھا۔ جو کسی نئی ہی نسل کا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے جیوپیٹر کی مدد سے بڑی دوڑ دھوپ کے بعد ایک گھونگا پکڑا تھا جو اس کے خیال میں بالکل نئی دریافت تھی۔ اس نے کہا، اس پر میں کل تمہاری رائے لوں گا۔

"آج رات کیوں نہیں" میں نے ہاتھ تاپتے ہوئے اور گھونگوں کی پوری فصل پر

جی ہی جی میں لعنت بھیجتے ہوئے کہا۔

"مجھے کیا معلوم تھا کہ تم آج آؤ گے" لیگراں نے کہا "تم سے ملاقات ہوئے مدتیں ہوئیں۔ گھر آتے میں مجھے راستے میں قلعے کا لفٹیننٹ گگ ——— ملا اور میں نے حماقت کی کہ وہ کیڑا اُسے دیکھنے کو دے دیا۔ بہرحال اب تو کل صبح سے پہلے تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔ رات یہیں گزارو۔ جیوپیٹر کو میں سورج نکلتے ہی لانے کے لئے بھیج دوں گا۔ کائنات میں اس سے حسین چیز اور کوئی نہیں" "کیا سورج نکلتے ہی؟"

"لاحول ولاقوۃ ——— ارے بھائی میں اس گھونگے کی بات کر رہا ہوں۔ اس کا رنگ کندن کی طرح سنہرا ہے اور جسامت میں بڑے اخروٹ کے برابر ہوگا ——— پشت کے ایک سرے پر دو گہرے سیاہ خال ہیں اور دوسرے سرے پر ایک لمبوترا سیاہ نشان۔ اس کی مونچھیں"

جیوپیٹر نے وہیں اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "میاں ولیم۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں، اس کے مونچھیں ویچھیں نہیں ہیں۔ یہ گھونگا سونے کا ہے۔ بالکل ٹھوس، اندر باہر سے قطعی ٹھوس۔ میں نے زندگی میں اتنا بھاری کیڑا نہیں دیکھا۔

لیگراں نے کچھ ایسی سنجیدگی سے جو موقع محل کے تقاضے سے کچھ متجاوز ہی معلوم ہوتی تھی جواب دیا ——— "جیوپیٹر" مان لیا کہ تمہاری بات ٹھیک ہے۔ لیکن خدا کے لیے مرغابیوں کا دھیان رکھو۔ جلی جا رہی ہیں" ——— اب وہ پھر مجھ سے مخاطب ہوا "رنگ واقعی ایسا ہے کہ جیوپیٹر کے کہنے کی تصدیق کرتے ہیں اس کے بدن کے چھلکوں کی چمک دمک کا مقابلہ کسی دھات کی چمک نہیں کر سکتی اس کا تعلق تو خیر دیکھنے سے ہے۔ البتہ اس کی شکل میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کیسی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ ایک چھوٹی سی میز پر بیٹھ گیا جس پر قلم اور دوات تو موجود تھے لیکن کاغذ

کوئی نہ تھا۔ اُس نے میز کی دراز میں تلاش کیا لیکن وہاں بھی نہ ملا۔

"خیر کوئی بات نہیں" آخر اس نے کہا۔ "یہی کام دے جائے گا۔" اس نے اپنی واسکٹ کی جیب سے ایک بہت میلے سے کاغذ کا ایک پرزہ نکالا دیں اس وقت اسے کاغذ ہی سمجھا، اور قلم سے اس پر شکل بنانے لگا۔ میں آگ کے قریب اپنی کرسی پہ ہی بیٹھا رہا۔ کیونکہ میری ٹھٹھرا بھی دور نہیں ہوئی تھی۔ سردی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے شکل بنا کر وہیں بیٹھے بیٹھے وہ پرزہ مجھے پکڑا دیا۔ اتنے میں باہر ایک بلند غراہٹ اور پھر دروازے کو نوچنے کی آواز سنائی دی۔ جیو پیٹر نے دروازہ کھولا تو لیگراں کا جفادری کتا جست لگا اندر آ پہنچا اور میرے کندھوں پہ چڑھ کر مجھے بے طرح چومنے چاٹنے لگا۔ میں جب کبھی آتا، اس سے پیار کیا کرتا تھا۔ اس لیے وہ مجھ سے ہل گیا تھا۔ اس کی اُچھل کود ختم ہو گئی تو میں نے کاغذ پر نظر ڈالی۔ میرے دوست نے جو شکل بنائی تھی اُسے دیکھ کر میں چکرا سا گیا۔

چند منٹ سوچنے کے بعد میں نے کہا۔ "یہ تو عجیب و غریب قسم کا گھونگا ہے۔ میں نے ایسی کوئی چیز آج تک نہیں دیکھی۔ یہ تو کھوپڑی نظر آتی ہے۔ میں نے آج تک جتنی چیزیں دیکھی ہیں اُن میں سے انسانی کھوپڑی سے زیادہ کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں دیکھی۔"

"انسانی کھوپڑی!" لیگراں نے کہا "ہاں کاغذ پر اس سے شکل کی کچھ مشابہت ضرور پیدا ہو جائے گی۔ اوپر کے دونوں سیاہ خال آنکھیں معلوم ہوں گے اور نیچے کا لمبوترا نشان منہ نظر آئے گا اور پھر اس کی شکل بھی بھدی ہے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے" میں نے کہا — "لیکن لیگراں — تم کچھ اچھے آرٹسٹ نہیں ہو۔ میں اس گھونگے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ہی اس کی شکل و شباہت کا اندازہ کر سکتا ہوں۔"

لیگراں نے کچھ چڑ کر کہا۔ "تمھاری بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔ میں اچھی خاصی تصویر

کھینچ لیتا ہوں۔ اچھے استادوں سے تعلیم پائی ہے اور اتنا کند ذہن یا گاؤدی بھی نہیں ہوں"

"تب تم مذاق کر رہے ہو" میں نے کہا "مجھے تو یہ کھوپری ہی نظر آتی ہے۔ بلکہ ہیئی کھوپری اگر تمہارا گھونگا اس سے مشابہ ہے تو وہ دنیا کا عجیب ترین گھونگا ہوگا۔ میرے خیال میں تمہیں اس گھونگے کا نام ہی "کاسۂ سر" وغیرہ رکھنا چاہیئے نیچرل ہسٹری میں چیزوں کے نام اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ لیکن تم نے جن مونچھوں کی بات کی تھی: وہ کہاں ہیں۔"

"مونچھیں!" لیگراں نے چڑ کر کہا۔ "وہ تو میں نے اتنی صاف بنائی ہیں کہ انہیں کوئی نظر آجائیں جیسی وہ اس گھونگے میں تھیں میں نے بالکل ویسی ہی بنادی ہیں۔"

"تم نے ضرور بنائی ہوں گی۔ لیکن مجھے نظر نہیں آتیں" میں نے مزید کچھ کہے بغیر وہ کاغذ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں اس کے مزاج کو اور برہم نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کی خفگی پر مجھے حیرت بھی ہوئی۔ اس کا مجھے کوئی جواز نظر نہ آرہا تھا۔ جہاں تک اس کیڑے کی شکل کا تعلق تھا اس میں مونچھوں وغیرہ کا کوئی وجود نہ تھا اور شکل انسانی کھوپری سے بے حد مشابہت رکھتی تھی۔

لیگراں اس کاغذ کو میرے ہاتھ سے لے کر غصے میں مسل کر آگ میں پھینکنے کو تھا کہ اس کی نظر نقشے پر پڑ گئی اور پھر وہیں گڑ کر رہ گئی۔ اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو گیا۔ اس کے بعد بالکل پیلا پڑ گیا۔ چند منٹ تک وہ وہیں بیٹھا بیٹھا اس شکل کو غور سے دیکھتا رہا۔ آخر اس نے میز پر سے ایک شمع اٹھائی اور کمرے کے انتہائی گوشے میں ایک صندوق پر بیٹھ کر پھر اس نقشے کو نہایت غور و تعمق سے دیکھنے لگا۔ تاہم منہ سے وہ ایک لفظ نہ بولا۔ میں بھی حیران ہو کر اسے دیکھتا رہا اور کسی قسم کی رائے زنی اس لیے نہ کی کہ کہیں اس کا مزاج پھر نہ بگڑ جائے۔ آخر اس نے اپنی جیب سے ایک بٹوا نکالا اور اس کاغذ کو

اس میں بند کر کے میز کی دراز میں مقفل کر دیا۔ اب اس کی طبیعت کی کسیدگی تو رفع ہو چکی تھی لیکن پہلی سی شگفتگی پیدا نہ ہوئی۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا دکھائی دیتا تھا۔ اس کا تفکر لحظہ بہ لحظہ بڑھتا ہی گیا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ وہ کوئی بات کرے لیکن بے کار۔ یہ عالم دیکھ کر میں نے وہاں سے رخصت ہو جانا ہی مناسب خیال کیا حالانکہ پہلے میرا ارادہ رات وہیں گزارنے کا تھا۔ اس نے بھی میرے ٹھہرنے پر زیادہ اصرار نہ کیا البتہ جب میں رخصت ہوا تو غیر معمولی گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔

اس واقعے کے کوئی مہینہ بھر بعد کی بات ہے (اس دوران میں مجھے لیگراں کی کوئی خبر نہ ملی) کہ چارلسٹن میں لیگراں کے حبشی خدمت گار جیوپیٹر نے ایک روز میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ بہت دلگیر اور اداس نظر آتا تھا۔ میرا ماتھا ٹھنکا کہ میرے دوست پر کوئی نہ کوئی افتاد آن پڑی ہے۔

"کیا بات ہے جیوپیٹر" میں نے کہا۔ "تمہارے آقا اچھے تو ہیں؟"

"اچھے ہی تو نہیں"

"کیا بات ہے۔ کیا شکایت ہے؟"

"کوئی خاص بیماری نہیں۔ پھر بھی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں"

"تمہاری باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔ میاں جیوپیٹر.... تم نے کہا ہے کہ تمہارے آقا علیل ہیں۔ کیا انھوں نے بتایا نہیں کہ کیا مرض ہے۔

"ان کے مرض کا حال میں کیا بتاؤں میاں وہ اپنے منہ سے تو بولتے ہی نہیں کہ انہیں کیا خلجان ہے۔ ان کا چہرہ سُست کر رہ گیا ہے اور وہ گردن ڈالے بس گھومتے رہتے ہیں۔ یا پھر سلیٹ پنسل لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے ہیں۔ خدا

جلنے کیا اوٹ پٹانگ چیزیں لکھتے ہیں۔ مجھے ان کی طرف سے بہت تشویش ہو گئی ہے اور میں ان پر اب کڑی نظر رکھتا ہوں۔ آج کیا ہوا کہ وہ مجھے سوتا چھوڑ کر علی الصبح کہیں نکل گئے، اور سارا دن غائب رہے۔ میں نے ان کی مرمت کے لئے ایک موٹا سا ڈنڈا تیار کر رکھا تھا لیکن ان کی صورت دیکھ کر اس کو استعمال کرنے کی ہمت نہ پڑی۔"

"ہوں یہ بات ہے۔ میاں تمھیں اس غریب پر اتنا غصہ نہیں کرنا چاہیئے۔ کہیں سچ مچ اس کی گندی نہ کر دینا۔ مر ہی جائے گا۔ لیکن تم نے کچھ تو اندازہ لگایا ہوگا اس کی پریشانی کا باعث کیا ہے۔ وہ کیوں اتنا بدل گیا ہے۔ کیا اس دوران میں کوئی ناخوشگوار امر پیش آیا ہے؟"

"نہیں صاحب۔ اس دوران میں تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی ہاں اس روز جب کہ آپ وہاں تشریف لے گئے تھے۔۔۔"

"کیا مطلب؟"

"جی اس کم بخت گھونگے کا ذکر کر رہا ہوں"

"کس کا؟"

"سنہری گھونگے کا۔ میرے خیال میں اس نے میرے آقا کے سر کے قریب ڈنک مار دیا ہے"

"تم نے یہ قیاس کیسے قائم کیا" بلی نے جیو پیٹر سے پوچھا۔ "اس کے پنجے ہیں صاحب۔ اس کا منہ ہے۔ میں نے ایسا کیڑا کبھی نہیں دیکھا۔ جو چیز اس کے قریب آتی ہے وہ اسے کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ میاں ولیم نے اسے ہاتھ میں اٹھا لیا۔ لیکن

فوراً چھوڑنا پڑا۔ بس اس وقت اس ملعون جانور نے کہیں ڈنک مار دیا۔ میں نے بھی اس ڈر سے انگلی سے نہیں اٹھایا بلکہ پاس سے ایک کاغذ اٹھا کر اسے اس میں لپیٹ لیا اور اس کے منہ میں بھی اس کاغذ ہی کا ایک ٹکڑا ٹھونس دیا

تو تمہارا خیال ہے کہ تمہارے آقا کو اس کیڑے نے کاٹا ہے اور ان کی علالت کی یہی وجہ ہے۔

اس میں خیال کی بات کیا ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر اسے سنہری گھونگے نے نہیں کاٹا تو اسے سونے کے پسینے کیوں آتے ہیں"

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ اسے سونے کے پسینے آتے ہیں"

"واہ وہ سوتے میں بڑبڑاتا ہے تو میں سن لیتا ہوں"

"خیر میاں تمہارا قیاس درست ہوگا۔ لیکن آج تم نے آنے کی تکلیف کس وجہ سے کی؟ کیا مسٹر لیگراں نے کوئی پیغام بھیجا ہے؟"

"جی یہ رقعہ دیا ہے" یہ کہہ کر جیوپیٹر نے ذیل کا خط مجھے تھما دیا۔

"میرے دوست۔ تم سے ملاقات ہوئے ایک زمانہ ہو گیا۔ کہیں میری اس دن کی حرکت کا تم نے برا نہ مانا ہو تو مجھے تم پر ایسی بدگمانی تو نہیں۔

تمہارے جانے کے بعد سے تفکرات میں گرفتار رہا ہوں مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ لیکن کیسے کہوں۔ بلکہ سوچتا ہوں کہ کہوں یا نہ کہوں پچھلے چند دن سے میری حالت زیادہ خراب ہے۔ اور جیوپیٹر کی توجہات نے تو میری زندگی حیران کر دی ہے۔ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ دو تین دن ہوئے اس نے مجھے، سزا دینے کے لئے

ایک ڈنڈا گھڑ رکھا تھا کہ میں اسے چھوڑ کر اکیلا پہاڑیوں کا چکر کیوں کاٹتا رہا۔ میرے خیال میں تو میرے اُترے ہوئے چہرے اور بیچارگی کی حالت کو دیکھ کر اُسے ترس آ گیا ورنہ میرے پٹنے میں کیا کسر رہ گئی تھی۔

تمھارے جانے کے بعد سے میں نے اپنے صدفیات کے ذخیرے میں کوئی اضافہ نہیں کیا اگر تمھیں زحمت نہ ہو تو جیو پیٹر کے ہمراہ چلے آؤ۔ بلکہ ضرور آؤ آج رات مجھے تم سے ایک اہم کام ہیں مدد لینی ہے۔ یقین مانو۔ اشد ضروری کام ہے

تمھارا — ولیم لیگراں

اس کا لہجہ لیگراں کے عام اندازِ تحریر سے اس قدر مختلف تھا کہ مجھے خواہ مخواہ تشویش لاحق ہو گئی۔ میں سوچنے لگا کہ اس کے دماغ پر کیا بھوت سوار ہو گیا ہے۔ اسے کس بات کے پسینے آنے لگے ہیں۔ وہ "اشد ضروری" کام کیا ہے جس کے سلسلے میں وہ مجھ سے مدد کا خواہاں ہے۔ جیو پیٹر نے اس کا جو احوال بیان کیا تھا اس سے میرا یہ شبہ قوی ہو گیا کہ متواتر پریشانیوں اور مصیبتوں کی وجہ سے میرے دوست کے ہوش ٹھکانے نہیں رہے میں بلا کسی تامل و توقف کے جیو پیٹر کے ہمراہ چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔

جب ہم گھاٹ پر پہنچے اور اس کشتی میں جو ہمیں جزیرے کے ساحل تک لے جانے والی تھی سوار ہونے لگے تو میں نے دیکھا کہ اس میں ایک ورانتی اور تین کدال پڑے ہیں۔ سب کے سب نئے۔ میں نے جیو پیٹر سے پوچھا "یہ کیا ہے میاں؟"

"یہ درانتی ہے صاحب اور یہ کدال ہیں"

"وہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن یہ کس مرض کی دوا ہیں؟"

"میاں نعیم نے تاکید سے کہا تھا کہ شہر سے یہ چیزیں خرید لانا۔ ان کی خریداری میں میرا تو دیوالہ پٹ گیا"

"لیکن میاں نعیم اس درانتی اور ان کدالوں کا کیا کریں گے"

"یہ میں کیا جانوں؛ میرا تو خیال ہے خود میاں کو بھی معلوم نہ ہوگا۔ اس سارے معاملے کی تہ میں وہی ملعون گھونگا ہے"

"یہ دیکھ کر کہ جیپ پیٹر سے کسی شافی جواب کی توقع عبث ہے اور اس کے ذہن پہ وہ گھونگا سوار ہے، میں نے مزید گفتگو لاحاصل سمجھی اور کشتی میں سوار ہو گیا۔ ہوا موافق تھی۔ اس لئے ہم لوگ جلد ہی قلعہ مولٹری کے شمال میں ساحل پہ جا اترے وہاں سے کوئی دو میل کا راستہ طے ہم لیگراں کے مکان پہ پہنچ گئے۔ وہ ہمہ تن انتظار بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی خیر مقدم کے لئے آگے بڑھا اور ہاتھ اتنی گرمجوشی سے بھینچا کہ اس کی دماغی صحت کے متعلق میرے شبہات اور قوی ہو گئے۔ اس کے چہرے پہ زردی چھائی ہوئی تھی اور آنکھوں میں ایک وحشیانہ چمک تھی۔ اس کی مزاج پرسی کرنے کے بعد میں نے محض بات چھیڑنے کے لئے اس سے پوچھا کہ کیا لفٹننٹ گ سے تم نے گھونگا منگوایا تھا۔"

"دوسرے ہی دن منگا لیا تھا" لیگراں نے جواب دیا۔ "میں تو اسے کسی قیمت پہ اپنے سے جدا نہیں کر سکتا۔ تمہیں پتا ہے کہ جیپ پیٹر نے اس کے متعلق جو بات کہی تھی حرف بہ حرف درست ہے۔"

"کیا بات ہے؟" میرے دل میں بدھوں نے سر اٹھایا۔

"یہی کہ وہ گھونگا سچ مچ کے سونے کا ہے۔" اس نے یہ بات نہایت سنجیدگی اور وثوق سے کہی مجھے اپنے دوست کی یہ دماغی کیفیت کو دیکھ کر تعجب کے ساتھ ساتھ صدمہ ہوا لیکن اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"اس گھونگے کی بدولت میری قسمت جاگ اٹھے گی مجھے اپنے خاندان کی جائداد واپس مل جائے گی۔ اسی لئے تو مجھے یہ اتنا عزیز ہے۔ چونکہ خوبیٔ تقدیر سے گھونگا میرے ہاتھ لگ گیا ہے۔ اس لئے اب مجھے بطریق مناسب اس سے کام لینا چاہیئے مجھے اس کی بدولت وہ سونے کا خزانہ ہاتھ آئے گا جس کی یہ کلید ہے۔ جیو پیٹر ذرا وہ گھونگا لانا تو"

"گھونگا۔ نہیں آقا۔ میں اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا آپ خود اسے اٹھائیے"

آخر لیگراں خود اٹھا اور شیشے کی وہ ڈبیا اٹھا لایا جس میں وہ گھونگا بند تھا بہت خوب صورت گھونگا تھا اور علم حیوانات کے ماہرین کے لئے نئی دریافت علمی نقطۂ نظر سے یہ بیحد قدر و قیمت کی چیز تھی۔ اس کی پشت پر دو گول سیاہ خال ایک طرف تھے اور ایک لمبا سا نشان دوسری طرف۔ اس کا صدفی خول بہت سخت اور چکیلا تھا اور بالکل کندن کی سی ڈلک اس سے نمایاں تھی۔ اگر جیو پیٹر نے اسے خالص سونے کا سمجھا تو کوئی مقام تعجب نہیں لیکن لیگراں کا اس سے اتفاق رائے کرنا میری فہم سے ماورا بات تھی۔

جب میں معائنہ سے فارغ ہو چکا تو لیگراں نے بڑے طمطراق کے لہجے میں کہنا شروع کیا! "میں نے آج تمہیں اس لئے یہاں بلایا ہے کہ قضا و قدر نے اس طلائی

گھونگے کی وساطت سے میرے حق میں جو فیصلہ کیا ہے اس کی تعمیل میں تمھارے مشورے اور مدد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"میرے دوست" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تمھاری طبیعت اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ تمھیں احتیاط برتنی چاہیئے جاؤ بستر پہ لیٹ جاؤ آرام کرو۔ میں چند دن تمھارے پاس رہوں گا۔ اتنے میں تم اچھے ہو جاؤ گے۔ اس وقت تو تمھیں بخار معلوم ہوتا ہے۔"

"ذرا میری نبض دیکھنا" اس نے کہا۔

"میں نے نبض پہ ہاتھ رکھا اور حقیقت یہ ہے کہ بخار کے ذرّہ بھر آثار نظر نہ آئے"

"خیر بخار نہیں ہے پھر بھی تمھاری طبیعت علیل ہے۔ میرا مشورہ مانو تو پہلے بستر پہ جا لیٹو ۔ اور پھر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"تمھیں غلط فہمی ہو رہی ہے" لیگراں نے کہا "دماغ میں ہیجان ضرور ہے۔ باقی ہر لحاظ سے میں بھلا چنگا ہوں۔ اگر تمھیں مجھ سے ہمدردی ہے تو اس ہیجان کو رفع کرنے کی تدبیر کرو"

"اس کی کیا صورت ہے"

"بڑی آسان بات ہے۔ میں جیوپیٹر کو ہمراہ لے کر پہاڑیوں کی طرف جا رہا ہوں۔ اس مہم میں ہمیں ایک اور ساتھی کی ضرورت ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ میں تمھارے علاوہ کسی پہ بھروسہ نہیں کر سکتا۔ ہمیں کامیابی ہو یا ناکامی بہرحال ذہن کا یہ خلجان رفع ہو جائے۔"

"میں تمھارے کام آنے کو تیار ہوں" میں نے کہا۔ "لیکن یہ بتاؤ کہ اس مہم کا تعلق

اس ملعون گھونگے سے تو نہیں "

لیگراں نے کہا۔ "ہے تو سہی "

" پھر مجھے معاف رکھو۔ میں ایسی مہمات سے باز آیا "

" بڑا افسوس ہے بخیر تم ساتھ نہیں دیتے تو ہم خود قسمت آزمائی کریں گے۔"

" اکیلے جاؤ گے ؟ پاگل تو نہیں ہو گئے۔ یہ بتاؤ کہ اس مہم میں کتنی دیر باہر رہنا ہوگا "

" غالباً رات بھر۔ ہم ابھی روانہ ہو جائیں گے اور بہر صورت سورج نکلنے سے پہلے واپس آجائیں گے "

" اچھا تو اپنی آبرو کی قسم کھا کر یہ وعدہ کرو کہ جب تمہارا یہ خبط پورا ہو جائے جو اس نابکار گھونگے کی صورت میں تم پہ سوار ہے تو تم گھر واپس آجاؤ گے اور میری رائے اور ڈاکٹر کے مشورے پر عمل کرو گے۔

" ہاں میں وعدہ کرتا ہوں لیکن اب چلیں وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔"

طوعاً و کرہاً میں اپنے دوست کے ساتھ ہو لیا۔ ہم کوئی چار بجے کے قریب روانہ ہوئے۔ ہم سے مراد ہے، لیگراں، جیو پیٹر، وہ کتا اور میں۔ جیو پیٹر دانتی اور کدالیں اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ انہیں خود اٹھانے پر غالباً اس لئے مصر تھا کہ کہیں وہ اس کے آقا کے ہاتھ میں نہ چلی جائیں اور وہ وحشت اور دیوانگی میں کچھ کر نہ بیٹھے۔ اس کی طبیعت سے پرلے درجے کی ضد اور ہٹ آشکار تھی اور سارے راستے اس گھونگے کو وقفے وقفے سے صلواتوں سے یاد کرنے کے علاوہ کچھ نہ بولا۔ میں دو چور لالٹینیں اٹھائے ہوئے تھا اور لیگراں کی تحویل میں صرف گھونگا تھا۔ اس نے اسے ایک لمبی سی ڈوری کے سرے سے باندھ رکھا تھا اور اسے گوپئے کی طرح گھماتا ہوا جا رہا تھا اپنے دوست کی یہ

سوداگروں کی سی حرکت دیکھ کر رقت سے میری آنکھیں بھر آئیں۔ لیکن میں نے یہی مناسب سمجھا کہ سردست اس کی حرکات سے متعلق تعرض نہ کروں بلکہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتا چلوں بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ میں نے اُس سے باتوں باتوں میں بہتیرا پوچھنے کی کوشش کی کہ یہ مہم کس سلسلے میں ہے؟ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ لیکن اُس نے کچھ اتا پتا نہ دیا۔ مجھے اپنے ساتھ لانے میں وہ کامیاب ہو گیا تھا۔ اب کسی معمولی مسئلے پر بات چیت کرنا اسے گوارا نہ تھا۔ میرے ہر سوال کا جواب اس کے پاس یہی تھا ۔۔۔ "بس تم دیکھتے جاؤ"

ہم نے جزیرے کے سرے پہنچ کر اس خلیج کو ایک چھوٹی سی کشتی کی مدد سے پار کیا اور سرزمین خاص پر پہنچ کر شمال مغرب کی سمت اختیار کی۔ ہمارا گزر ایک ایسے ویران اور اُجاڑ خطے سے ہوا جہاں آدمی کا نقش قدم نا پید تھا۔ لیگران آگے آگے تھا وقتاً فوقتاً وہ ایک لمحے کو رک کر اُن نشانیوں کو دیکھ لیتا تھا جو اس سے پہلے وہ لگا گیا تھا۔

ہم کوئی دو گھنٹے تک یوں ہی چلتے رہے اور غروب آفتاب کے قریب ایک ایسے خطے میں پہنچے جو اور زیادہ ویران اور اُجاڑ تھا۔ یہ مقام ایک سطح مرتفع سے مشابہ تھا۔ جو ایک دشوار گزار پہاڑی کی چوٹی کے قریب پھیلی ہوئی تھی۔ اس پہاڑی پر دامن سے چوٹی تک گھنے درخت پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے پہلوؤں پر جا بجا بڑی بڑی چٹانیں درختوں کے تنوں کے سہارے ٹکی پڑی تھیں۔ اگر یہ سہارے نہ ہوتے تو وہ لڑھکتی ہوئی دامن کوہ کی وادی میں پہنچ جاتیں۔ مختلف سمتوں میں جو گہری گپھائیں دکھائی دے رہی تھیں ان سے منظر کی وحشت اور بڑھ گئی تھی۔

وہ سطح مرتفع جس پر ہم بڑی مشکل سے چڑھے خاردار جھاڑیوں سے پٹی پڑی تھی۔ اگر ہمارے پاس درانتی نہ ہوتی تو ہم ایک قدم نہ چل پاتے۔ جیو پیٹر آقا کی ہدایت پر جھاڑیاں کاٹ کاٹ کر راستہ بناتا جاتا تھا حتیٰ کہ یہ راستہ شاہ بلوطوں کے ایک جھنڈ میں جا پہنچا ان میں سے ایک درخت بہت ہی اونچا اور تناور تھا اور اس کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے پتے بھی بہت خوبصورت تھے اور شان بھی الگ ہی تھی اس درخت کے قریب پہنچ کر لیگراں نے جیو پیٹر سے پوچھا کہ تم اس پر چڑھ سکو گے یا نہیں؟ اس ناگہانی سوال پر وہ بوڑھا حبشی کچھ دیر تو حیران رہا۔ اس سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ آخر کار درخت کے موٹے تنے کے گرد پھر کر اور اس کی بلندی کو غور جانچ کر اُس نے کہا۔

"جی ہاں ـــــ کیوں نہیں۔ کونسا درخت ہے جس پہ جیو پیٹر نہیں چڑھ سکتا"

"پھر جلدی سے چڑھ جاؤ۔ سورج غروب ہو رہا ہے۔ پھر اندھیرا ہو جائے گا اور ہمیں کچھ سجھائی نہ دے گا"

"کہاں تک جاؤں" جیو پیٹر نے سوال کیا۔

"پہلے تو تم اس کے بڑے تنے پہ چڑھ جاؤ۔ پھر میں ـــــ تمہیں بتاؤں گا کہ کدھر جانا ہے اور سنو۔ یہ گھونگا اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔"

جیو پیٹر نے سراسیمہ ہو کر کہا۔ "گھونگا؟ کس لئے؟ میں تو نہیں لے کے جاؤں گا"

لیگراں نے کہا۔ "تم جیسا چوڑا چکلا آدمی، ایک بے ضرر مُردہ کیڑے سے ڈر جائے۔؟ اگر تم اسے ہاتھ لگاتے ڈرتے ہو تو اچھا اس رسّی سے لٹکا کے لے جاؤ ورنہ اس کدال سے تمہارا سر پھوڑ دوں گا۔"

جیو پیٹر نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔ "میاں آپ تو مجھ غریب کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ میں اور ایک مرد کبیر کے سے ٹر جاؤں؟ واہ میں کیوں ڈروں گا اس سے" اب اس نے احتیاط سے رسّی کا ایک سرا پکڑا اور اسے اپنے سے دُور رکھتے ہوئے درخت پر چڑھنا شروع کیا۔

اس درخت کا تنا بالکل صاف تھا اور اس نسل کے درخت بعض اوقات بہت اونچے نکل جاتے ہیں اور کوئی شاخ یا تنا نہیں پھوٹتا۔ لیکن جب درخت بہت پرانا ہو جاتا ہے تو اس کی چھال کھردری سی ہو جاتی ہے اور تنے میں سے بہت سی چھوٹی چھوٹی شاخیں نکل آتی ہیں۔ اس درخت پر چڑھنا جتنا مشکل نظر آتا تھا دراصل اتنا مشکل نہیں اس کے موٹے تنے پر اپنے بازوؤں اور گھٹنوں کی مدد سے چڑھتا ہوا اور باہر نکلے ہوئے گدّوں میں اپنے ہاتھ پاؤں اٹکاتا ہوا وہ آخر اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے پہلا ٹہنا پھوٹتا تھا۔ اس دوران میں وہ دو بار گرتے گرتے بچا۔ خیر پہلے شاخچے پر پہنچ کر اس نے سمجھا کہ دشوار منزل ختم ہو گئی۔ فی الحقیقت مشکل زمین تک پہنچنے کی تھی۔ اب وہ زمین سے کوئی ساٹھ ستر فٹ بلندی پر بیٹھا تھا۔

"میاں ولیم اب کدھر کو جاؤں؟" اس نے پوچھا

"اس طرف کے سب سے موٹے ٹہنے پر چلتے جاؤ" جیو پیٹر نے حکم کی تعمیل کی اور اوپر ہی اوپر چڑھتا ہوا گھنے پتوں اور ٹہنیوں میں غائب ہو گیا۔ دُور سے اُس کی آواز آئی۔

"اور کتنا آگے جاؤں"

"کتنی اونچائی پر ہو تم؟" لیگراں نے پوچھا۔

"اتنی اونچائی پر کہ درخت کی چوٹی پر سے آسمان نظر آتا ہے"

"آسمان کو فی الحال جانے دو اور میری بات کی طرف توجہ کرو نیچے نظر ڈال کر مجھے بتاؤ کہ جس مقام پر تنے سے پہلا ٹہنا چھوٹتا ہے وہاں سے اس مقام تک جہاں سے تم بول رہے ہو، تمہارے داہنے ہاتھ کی طرف کتنے ٹہنے نکلے ہوئے ہیں"

"ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ میں پانچ ٹہنے طے کر آیا ہوں"

"ایک ٹہنا اور اوپر چڑھو"

چند منٹ میں اس کی آواز پھر سنائی دی۔ "لیجئے ساتویں پر پہنچ گیا"

"اب یہ دیکھو" لیگراں نے جوش کے عالم میں کہا "اس ٹہنے پر جہاں تک جانا ممکن ہے جاؤ اور اگر کوئی عجیب چیز نظر آئے تو مجھے بتاؤ"

اپنے دوست کے دیوانہ پن میں مجھے اگر کوئی شبہ رہ گیا تھا تو وہ اب رفع ہو گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ پاگل ہو گیا ہے۔ اب مجھے یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اس کو کس طرح گھر لے کر چلوں۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ جیمز پیٹر کی آواز پھر سنائی دی۔

"میاں یہ ٹہنا تو بالکل سوکھا اور مرجھایا ہوا ہے۔ اس پر زیادہ دور تک جاتے مجھے خوف آتا ہے"

کیا کہا؟ سوکھا ہوا ٹہنا ہے" اس میں نام کو بھی جان نہیں"

لیگراں نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا "میرے اللہ اب میں کیا کروں"

میں نے موقع غنیمت جان کر کہا۔ "کرو یہ کہ میرے ساتھ سیدھے سیدھے گھر چلو اور بستر پر لیٹ کر آرام کرو۔ اب آؤ۔ دیر ہو رہی ہے اور تمہیں اپنا وہ وعدہ بھی یاد نہ ہو گا۔

لیگراں نے میری بات کو سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے کہا۔

" جیوپیٹر۔ تم میری بات سن رہے ہو؟ "

" جی ہاں میاں۔ خوب سُن رہا ہوں کہیئے کیا کہتے ہیں آپ ؟ "

" اس ٹہنے کو آزما کر دیکھو۔ چاقو سے کاٹ کر دیکھو کہ بالکل بودا تو نہیں ؟ "

چند لمحے کے بعد جیوپیٹر بولا۔ " بودا تو ضرور ہے لیکن مجھ اکیلے کا بار سہارے گا کوشش کروں " ؟

" مجھ اکیلے سے تمہارا کیا مطلب ہے "

" میرا مطلب اسی گھونگے سے ہے۔ یہ بہت ہی بیمار ہے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اسے زمین پر پھینک دوں۔ مجھ بیچارے حبشی کے بوجھ سے تو ٹہنا نہیں ٹوٹے گا۔"

لیگراں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ " یہ کیا خرافات بک رہے ہو۔ اگر تم نے گھونگے کو نیچے پھینکا تو میں تمہاری گردن مروڑ کر رکھ دوں گا سُنتے ہو کہ نہیں "

" سنتا ہوں میاں۔ کیوں مجھ غریب کی جان کو آپ ہلکان کر رہے ہیں "

" اچھا سنو۔ اگر تم اس شاخ پر جہاں تک جا سکتے ہو جاؤ اور اس گھونگے کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑو تو میں تمہیں انعام میں چاندی کا ایک چمکتا ہوا ڈالر دوں گا۔

" لیجئے میں چلا " جیوپیٹر کی آواز آئی۔ " اور اب شاخ کے سرے پہ بھی پہنچ گیا۔

" بالکل سرے پہ پہنچ گئے کیا ؟ " لیگراں نے بے کل ہو کر کہا۔

بالکل تو خیر نہیں لیکن سرے کے قریب پہنچ گیا ہوں ——————

" میرے اللہ۔ رحم کیجیو — یہ کیا ہے ؟ "

" کیا ہے کیا ہے ؟ " بے تابی سے لیگراں نے کہا ہے کچھ مجھ سے بھی کہو ؟ "

"کچھ نہیں۔ ایک کھوپری ہے۔ کوئی شخص اپنا سر یہاں چھوڑ گیا اور اس کا بھیجا کوّے کھا گئے۔ بس ہڈیاں رہ گئی ہیں"

"کیا کہا؟ کھوپری۔ خوب خوب۔ لیکن یہ ٹہنے پڑی ہوئی کس طرح ہے؟"

"ٹھہریئے، ابھی دیکھ کر بتاتا ہوں" جیوپیٹر نے کہا۔ "ارے یہ تو عجیب ماجرا ہے کسی نے اس کو بہت موٹی کیل سے درخت پر ٹھونک رکھا ہے"

"اچھا تو جیوپیٹر — جو کچھ میں کہوں، اس پر حرف بحرف عمل کرو سنتے ہو؟"

"جی ہاں۔ فرمایئے"

"توجہ سے سنو۔ دیکھو تو کھوپری کی بائیں آنکھ کہاں ہے؟"

"بہت اچھا — لیکن یہاں تو کوئی سی آنکھ بھی نہیں"

"تم تو نرے گھامڑ ہو۔ تمہیں اپنے دہنے اور بائیں ہاتھ کا فرق معلوم ہے؟"

"جی ہاں — معلوم ہے۔ یہ رہا میرا بایاں ہاتھ جس سے میں لکڑیاں کاٹا کرتا ہوں"

"بس بس۔ اور تم یہ بھی جانتے ہوگے کہ جس طرف تمہارا بایاں ہاتھ ہے۔ اسی طرف تمہاری بائیں آنکھ ہے۔ اسی طرح اس کھوپری کی بائیں آنکھ کا بھی پتا لگالو یعنی سوراخ کا جہاں اس کی بائیں آنکھ تھی۔"

"میاں آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ کیا کھوپری کی بائیں آنکھ بھی اس کے بائیں ہاتھ کی طرف ہے؟ اگر ہاتھ ہی سے اندازہ لگانا ہے تو ہاتھ تو یہاں کوئی نہیں۔ لیکن خیر میں معلوم کئے لیتا ہوں کہ اس کھوپری کی بائیں آنکھ کہاں ہے جی ہاں معلوم ہوگئی، اب کیا کروں؟" جیوپیٹر کی آواز آئی۔

"گھونگے کو اس میں ڈالدو اور رسّی کا سرا تھامے رکھو۔ کہیں چھوڑ نہ دینا"

"یہ کونسی مشکل بات ہے!" جیو پیٹر نے کہا "گھونگے کو میں نے کھوپڑی کی آنکھ میں سے لٹکا دیا۔ پہنچ گیا؟"

اس تمام مکالمے کے دوران میں جیو پیٹر پتوں میں چھپا ہوا تھا۔ نظر نہ آتا تھا البتہ گھونگا جو اوپر سے لٹکایا تھا غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی آخری شعاعوں میں سنہری لٹو کی طرح چمکتا ہوا دکھائی دیا۔ اگر جیو پیٹر اس کو چھوڑ دیتا تو گھونگا عین ہمارے قدموں میں آ کر گرتا۔ یہ اندازہ لگا کر کہ گھونگا کس مقام پر گرے گا۔ لیگراں نے تین چار گز کے قطر ایک دائرہ فوراً سے جھاڑیاں صاف کر کے بنایا اور جیو پیٹر کو آواز دی کہ رسّی ہاتھ سے چھوڑ دو اور درخت سے نیچے اتر آؤ۔

جس مقام پر گھونگا گرا تھا، وہاں ایک کھونٹی گاڑ کر لیگراں نے جیب سے پیمائش کا ایک فیتہ نکالا اور اس کا ایک سرا درخت کے تنے کے اس حصّے کے ساتھ اٹکا کر جو کھونٹی سے قریب ترین تھا۔ فیتے کو کھولتا ہوا کھونٹی تک لے آیا اور یہاں سے اس خطِ مستقیم کی سیدھ میں جو کھونٹی اور درخت کے درمیان فیتے کے تننے سے پیدا ہوا تھا، اسے اور پچاس فٹ آگے لے گیا۔ جیو پیٹر درانتی سے خار دار جھاڑیاں صاف کرتا گیا۔ اس آخری نقطے پر ایک اور کھونٹی گاڑی گئی جس کو مرکز قرار دے کر چار فٹ قطر کا ایک دائرہ کھینچا گیا۔ اس کے بعد لیگراں نے ایک کدال خود سنبھالا۔ ایک جیو پیٹر کو دیا اور ایک مجھے دے کر کہا کہ اب اس جگہ کو جلد جلد کھودنا شروع کرو۔

اس قسم کے تفریحی مشغلوں سے مجھے کبھی دلچسپی نہ تھی۔ اس وقت تو کھدائی کا تخت طلب کام اور بھی دوبھر تھا، اس لئے کہ رات سر پر آ گئی تھی اور اتنے بڑے لمبے سفر کی تکان سے جسم پہلے ہی چور ہو رہا تھا۔ میں انکار کر دیتا۔ لیکن افسوس کہ مفر کی صورت

کوئی نہ تھی۔ مجھے اس بات کا خوف تھا کہ کہیں میرے انکار سے میرے دوست کا مزاج پھر نہ بگڑ جائے۔ اگر مجھے یہ توقع ہوتی کہ جیوپیٹر میری مدد کرے گا تو میں یقیناً اسے زبردستی پکڑ کر گھر لانے کی کوشش کرتا لیکن میں اس بڈھے حبشی خدمت گار کی وفاداری بشرط استواری سے واقف تھا۔ وہ بہرحال میرے مقابلے میں اپنے آقا ہی کا ساتھ دیتا مجھے اس بات میں ذرہ بھر شبہ نہ رہا کہ جنوبی ریاستوں کے لوگوں کے دماغوں میں زر و جواہر کے دفینوں کے متعلق جو روایات بسی ہوئی ہیں لیگراں بھی ان سے متاثر ہوا ہے۔ اور گھونگے کے ہاتھ آجانے سے جس کو جیوپیٹر خالص سونے کا سمجھتا ہے، اس کے ذہن میں یہ بات سما گئی ہے کہ یہ سنہری گھونگا کسی بہت بڑے دفینے کی غیبی کلید ہے۔ اپنی حیرانی اور پریشانی کے باوجود میرے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ اپنے دوست کی خواہش کے مطابق زمین کھودنے میں جُٹ جاؤں۔ تاکہ جلد سے جلد لیگراں کو دکھا سکوں کہ وہاں دفینہ کچھ نہیں۔ سب اس کے وہم کا کرشمہ ہے۔

لالٹین جلا کر ہم نے جوش و خروش سے گڑھا کھودنا شروع کیا۔ لالٹینوں کی روشنی ہم پر اور ہمارے کدالوں پر پڑ کر عجیب سماں پیدا کر رہی تھی اگر اس بیچ میں کوئی شخص وہاں آنکلتا تو نہ جانے ہمارے متعلق کیا خیال کرتا۔ کیا کیا شبہے اس کے دل میں پیدا ہوتے۔

ہم دو گھنٹے تک اسی طرح جانفشانی سے کھدائی کرتے رہے اس عرصہ میں تم نے آپس میں مطلق کوئی بات چیت نہ کی۔ ہمارے کام میں اگر کوئی چیز مخل تھی تو وہ گبرے کا بھونکنا تھا جس کے لئے ہمارا یہ انوکھا مشغلہ بہت دلچسپی کا باعث تھا۔ آخر اس کا شور اتنی شدت اختیار کر گیا کہ ہمیں ڈر ہونے لگا، کہیں آس پاس کا کوئی آدمی

دریافتِ حال کے لئے ادھر نہ آنکلے۔ یہ ڈر بھی میرے نہیں، لیگراں کے دل میں زیادہ تھا۔ میں تو ایسی مداخلت سے خوش ہوتا جس کی وجہ سے مجھے اپنے دوست کو گھر واپس لے جانے کا موقع ملتا۔ آخر کار جیو پیٹر نے باہر نکل کر کتّے کا منہ ایک دھجی سے باندھ دیا اور پھر مطمئن ہو کر گڑھے میں اُتر آیا۔

دو گھنٹے کی محنت سے ہم نے پانچ فٹ گہری زمین کھود ڈالی لیکن کسی خزانہ کا کوئی سراغ نہ ملا۔ تھک ہار کر ہم تینوں رک گئے اور میں سمجھا کہ اب میرا دوست اپنے خیالِ خام سے باز آجائے گا۔ لیکن کچھ دیر کے تامل کے بعد لیگراں از سرِ نو کدال چلانے لگا ہم نے چار فٹ کے قطر میں گڑھا مکمل کر لیا تھا اب مزید دو فٹ تک زمین کھود ڈالی۔ لیکن بے سود۔ لیگراں تلخ ترین ناکامی کی تصویر بنا ہوا آخر کار گڑھے سے نکلا اور کوٹ پہننے لگا جسے کھدائی سے پہلے اُس نے اتار کر ایک طرف ڈال دیا تھا۔ مجھے اس کی حالت پر رحم آرہا تھا۔ جیو پیٹر نے بھی اپنے آقا کو دیکھ کر اوزار اکٹھے کر کے پیٹھ پہ لاد لیے اور کتّے کا منہ کھول دینے کے بعد ہم نے چپ چاپ گھر کا راستہ لیا۔

ہم چند ہی قدم چلے ہوں گے کہ یکایک لیگراں نے زور کا ایک نعرہ لگا کر جیو پیٹر کو گلے سے جا دبوچا۔ جیو پیٹر کی پیٹھ پہ سے کدالیں نیچے جا گریں۔ اس کی آنکھیں فرطِ خوف و حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں اور وہ گھٹنوں کے بل زمین پر آرہا۔

لیگراں نے غصّے سے دانت پیستے ہوئے اس پہ گالیوں کی بوچھار کر دی۔ "اے ملعون کالیے۔ بدمعاش۔ ذرا مجھے بتا تو تیری بائیں آنکھ کونسی ہے۔ سچ سچ بتا جھوٹ بولا تو بُرا حال کر دوں گا" خوف و دہشت سے جیو پیٹر کی جان نکلی جا رہی تھی اس نے اپنی داہنی آنکھ پہ اُنگلی رکھ کر کہا۔ "یہی تو ہے" اس کے بعد بھی اُس نے اُنگلی نہ ہٹائی

جیسے اُسے ڈر ہو کہ آقا ابھی میری آنکھ نکال لے گا۔

لیگراں نے کہا۔ "میرا خیال صحیح نکلا۔ میں جانتا تھا کہ یہی بات ہے۔"

وہ عالم از خود رفتگی میں، نعرے لگانے اور ناچنے لگا۔ اس کی حالت دیکھ کر جیوپیٹر اور بھی متحیر ہو گیا۔ وہ بُت بنا کبھی اپنے آقا کی صورت دیکھتا تھا کبھی میرا منہ تکتا تھا۔

"آؤ واپس چلیں۔ ابھی امید باقی ہے" لیگراں نے جوش شادمانی ختم ہونے پر کہا ہم پھر اس کے پیچھے پیچھے درخت کے پاس پہنچے۔

"جیوپیٹر" لیگراں نے درخت کی جڑ کے قریب پہنچ کر کہا — "اب ایک اور بات بتا دو۔ دیکھو غلطی نہ ہو۔ اس کھوپری کا منہ اوپر کی طرف ہے یا نیچے کی طرف"

"میاں اس کا منہ اوپر کی طرف تھا تاکہ کوّوں کو اس کی آنکھیں نکال لے جانے میں تکلیف نہ ہو۔"

لیگراں نے اس کی دونوں آنکھیں یکے بعد دیگر چھو کر کہا۔

"اچھا تو کھوپری کی جس آنکھ میں سے تم نے گھونگے کو لٹکایا تھا — وہ یہ تھی یا یہ"؟

جیوپیٹر نے اپنی دہنی آنکھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا — "جی میاں یہ آنکھ تھی۔ یہی تو بائیں آنکھ ہے! آپ نے خود ہی بتایا تھا۔"

"بس یہ کافی ہے" لیگراں نے کہا "ہمیں دوبارہ کوشش کرنی ہوگی"

اب میرے دوست نے جس کی دیوانگی میں مجھے ایک ہوشیاری کی جھلک نظر آنے لگی تھی، اس مقام سے جہاں گھونگا گرا تھا کھونٹی اکھاڑ لی اور اس کی مغربی سمت

کوئی تین انچ کے فاصلہ پہ گاڑ دی۔ پھر پہلے کی طرح درخت کے تنے کے قریب ترین نقطے سے کھونٹی کا فاصلہ ناپ کر اس فاصلے کو بخط مستقیم پچاس فٹ آگے بڑھا دیا گیا۔ اس طرح جو مقام حاصل ہوا، وہ اس مقام سے جہاں تم نے پہلے گڑھا کھودا تھا کئی گز ہٹا ہوا تھا۔

اس نئی کھونٹی کے گرد ایک فراخ تر دائرہ بنا کر ہم پھر مٹی کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ میں اگرچہ تھک کر چور ہو گیا تھا لیکن میرے خیالات میں ایک ناقابل فہم تبدیلی پیدا ہو گئی تھی اور اب طبیعت اس مشقت سے بیزار نہ تھی۔ بلکہ میں اس میں یک بیک ایک خاص دلچسپی لینے لگا تھا۔ میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ عجب نہیں لیگراں کے اس سودا کی تہ میں کوئی حقیقت ہو۔ غرض میں نے نہایت جوش اور تندہی سے مٹی کھود کھود کر پھینکنی شروع کی۔ سچ یہ ہے کہ میرے دل میں بھی اس دفینے کی توقع سی پیدا ہو چلی تھی جسے میں اب تک اپنے دوست کے واہمے کا کرشمہ سمجھا تھا۔ ہمیں مٹی کھودتے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ ہوگا کہ کتے نے پھر زور زور سے بھونکنا شروع کیا۔ پہلے تو ہم یہی سمجھے کہ وہ ہم کو مٹی اچھالتے دیکھ کر یوں ہی بھونک رہا ہے اور اسے کھیل سمجھتا ہے لیکن اس کی آواز سے ایک بے چینی سی جھلک رہی تھی۔ جیوپیٹر نے اس کے منہ پر چھینکا چڑھانا چاہا۔ اس نے زبردست مزاحمت کی اور کود کر گڑھے میں اتر آیا۔ اب اس نے سونگھ سونگھ کر پنجوں سے مٹی کھودنی شروع کی۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے زمین سے انسانی ہڈیوں کا ایک ڈھیر برآمد ہوا۔ دو پورے انسانی ڈھانچے تھے۔ ان کے علاوہ پیتل کے کچھ بٹن اور کسی بوسیدہ اونی کپڑے کے اجزا اور کدال کی دو چار ضربوں سے جب

ہڈیاں باہر نکالی گئیں تو ہسپانوی وضع کا ایک بڑا چاقو برآمد ہوا۔ تھوڑی مٹی اور نکالنے پر تین چار اشرفیاں اور چاندی کے سکے مٹی میں بکھرے نظر آئے۔

ان سکوں کو دیکھ کر جیوپیٹر خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ لیکن لیگرانی کے چہرے پر انتہا درجے کی مایوسی چھا گئی۔ بہرحال اس نے ہم سے کہا کہ ابھی ہمیں گڑھا اور گہرا کرنا چاہیئے۔ یہ الفاظ اس کی زبان سے نکلے ہی تھے کہ میرا پاؤں ایک بڑے آہنی حلقے میں جو زمین میں گڑا ہوا تھا الجھا اور میں منہ کے بل زمین پر گر گیا۔

اب ہم نے اور سرگرمی سے زمین کھودنی شروع کر دی ۔ جس اضطراب آمیز اشتیاق میں میں نے آیندہ دس منٹ گزارے، اس کا حال میں ہی جانتا ہوں۔ جب ہم ڈھائی فٹ گہری مٹی کھود چکے تو ایک مستطیل چوبی صندوق برآمد ہوا، جو ساڑھے تین فٹ لمبا تین فٹ چوڑا اور ڈھائی فٹ اونچا تھا۔ اس کی لکڑی نہایت سخت اور مضبوط تھی اور قطعاً بوسیدہ نہ ہونے پائی تھی جس کا باعث اس زمین کے کیمیائی اجزا ہوں گے۔ اس بکس کے گرد اگرد لوہے کی پٹیاں چڑھی ہوئی تھیں۔ جنھیں کیلوں اور پیچوں سے کس دیا گیا تھا۔

ڈھکنے میں لوہے کے چھ بڑے کنڈے لگے ہوئے تھے جن میں ہاتھ ڈال کر چھ آدمی اسے اٹھا سکتے تھے۔ صندوق اتنا وزنی تھا کہ ہم تینوں کی متحدہ طاقت بس ذرا سی جنبش دے سکی۔ اسے اٹھانا تو ناممکن تھا۔ اس کا ڈھکنا صرف لوہے کے دو کنڈوں سے بند تھا جنھیں کھینچ کر الگ کیا جا سکتا تھا۔ ہم نے ان کھٹکوں کو کھینچا اور امید و بیم کے اضطراب کے عالم میں ڈھکنے کو اٹھایا۔ ہمارے سامنے بے حد و قیاس دولت کا ایک انبار جگمگا رہا تھا۔ لالٹینوں کی روشنی زر و جواہر کے اس ڈھیر پر پڑی تو اس کے

انعکاس سے اس گڑھے میں ایک خیرہ کن نور موجیں مارنے لگا۔

میرے دماغ میں یہ منظر دیکھ کر جن جذبات کا تلاطم بپا ہو رہا تھا، اُن کے اظہار سے زبانِ قلم قاصر ہے۔ فرطِ حیرت سے مجھ پر سکتے کا عالم طاری تھا۔ فیگراں کے منہ پر بھی بے خودی نے مہرِ سکوت لگا دی تھی لیکن جیوپیٹر کا عالم سب سے نرالا تھا۔ اس کا چہرا ایسا پیلا پڑ گیا تھا کہ کسی حبشی کے چہرے پہ دیسی رنگت آنا محال ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اس کے حواس بالکل جواب دے چکے ہیں۔ یکایک اس نے گھٹنے ٹیک کر اپنے ہاتھ کہنیوں تک زر و جواہر کے اس انبار میں داخل کر دیئے اور پھر وہیں رہنے دیئے جیسے اسے حمام کرنے کی لذت حاصل ہو رہی ہو آخر اس نے ٹھنڈی سانس لی اور آپ ہی آپ یوں باتیں کرنے لگا۔

"یہ سارا کرشمہ اس سنہری گھونگے کا ہے۔ اسی پیارے گھونگے کا ہے جسے تم ہاتھ لگاتے بھی ڈرتے تھے۔ تجھے اپنے آپ سے شرم تو نہ آتی ہوگی۔ بو بو۔ بو بو"

اب میں نے آقا اور دونوں کو توجہ دلائی کہ اس خزانے کو لے چلنا چاہیئے۔ رات بہت ہونے کو آئی تھی اور یہ ضروری تھا کہ ہر چیز صبح سے پہلے بحفاظت گھر پہنچا دی جائے۔ ہم سب کے خیالات کچھ ایسے پریشان ہو رہے تھے کہ بڑی دیر تک ہم یہی فیصلہ نہ کر پائے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ بالآخر ہم نے دو تہائی مال صندوق سے نکال کر گڑھے میں رکھ دیا اور صندوق کو بڑی دقت اور دشواری سے باہر نکالا۔ جو مال گڑھے میں پڑا تھا اسے ہم نے جھاڑیوں میں لے جا کر چھپا دیا کتے کو جیوپیٹر نے تاکید کر دی تھی کہ جھاڑیوں کے پاس ہی بیٹھا رہے۔ اور منہ سے کوئی آواز نہ نکالے۔ اب ہم صندوق اٹھا کر گھر کی طرف روانہ ہوئے گھر ہم بہ ہزار

وقت لیکن سلامتی سے پہنچ گئے۔ اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا ہم تھکن سے چُور چُور ہو رہے تھے لہذا دو بجے تک آرام کیا اور کچھ کھا پی کر تازہ دم ہو گئے۔ خوش قسمتی سے گھر ہی میں سے ٹاٹ کے تین مضبوط تھیلے مل گئے اور ہم انہیں لے کر دوسری مرتبہ جھاڑیوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ چار بجے سے کچھ پہلے ہم پھر گدھے پاس پہنچ گئے۔ مال کو ہم نے برابر تین حصوں میں بانٹ لیا اور گدھے کو یوں کھلا چھوڑ کر ہم پھر گھر کو پلٹے۔ ادھر ہم نے اپنے زریں پشتاروں کو پیٹھ سے اتارا ادھر صبح کی اولین شعاعیں مشرق کی طرف کے درختوں کی چوٹیوں پر نمودار ہوئیں۔

اب ہم یوں تو تھکن سے بالکل نڈھال ہو رہے تھے لیکن ایسے عالم میں نیند کسے آتی ہے چنانچہ تین چار گھنٹے تک بستر پر کروٹیں بدلنے کے بعد ہم پھر اٹھ بیٹھے اور اپنے خزانے کا جائزہ لینا شروع کیا۔

یہ صندوق منھا منہ بھرا ہوا تھا اور ہم نے سارا دن اور رات کا بڑا حصہ اس مال کا جائزہ لینے میں گذرا۔ زر و جواہر آپس میں ملے ہوئے تھے کسی قسم کی ترتیب ملحوظ نہ رکھی گئی تھی۔ ہم نے ان کو الگ الگ کر کے ڈھیریاں لگائیں تو معلوم ہوا کہ جو دولت ہمارے قبضے میں ہے وہ ہمارے ابتدائی اندازے سے بدرجہا زیادہ ہے۔ زرِ مسکوک جو اشرفیوں کی شکل میں تھا، رائج الوقت قیمت کے لحاظ سے ساڑھے چار لاکھ ڈالر کی مالیت کا تھا۔ اس میں چاندی نام کو نہ تھی۔ بس سونا تھا۔ یہ طلائی سکے بہت پرانے اور مختلف وضعوں کے تھے۔ کچھ فرانسیسی اشرفیاں تھیں کچھ ہسپانوی اور کچھ جرمن۔ کچھ انگریزی گنیاں بھی تھیں۔ بعض سکے ایسے تھے کہ ہم نے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ بعض اشرفیاں بہت

بڑی بڑی اور وزنی تھیں اور مٹی یا موسم کے اثرات نے انھیں ایسا فرسودہ کر دیا تھا کہ ایک بھی نقش پڑھا نہ جاتا تھا۔ ان میں امریکا کا کوئی سکہ نہ تھا۔ جواہرات کی قیمت کا اندازہ لگانا ذرا مشکل تھا۔ ان میں ایک سو دس بڑے بڑے اور خوبصورت ہیرے تھے۔ بعض تو بہت ہی بڑے تھے۔ اٹھارہ یاقوت تھے جن کی چمک دمک ستاروں کو شرماتی تھی۔ تین سو دس بے انتہا نفیس زمرد تھے۔ اکیس گرانمایہ نیلم تھے اور ایک پکھراج معلوم ہوتا تھا کہ یہ جواہرات طلائی زیورات میں سے نوچ کر الگ کئے گئے تھے۔ خود زیورات ہتھوڑے کی ضربوں سے پچکا دئے گئے تھے۔ غالباً اس لئے کہ پہچانے نہ جائیں۔ اس کے علاوہ ایک بہت بڑی تعداد غیر مرصع ٹھوس طلائی زیورات کی تھی۔ دو سو کے قریب تو چھلے اور بالیاں ہوں گی۔ تیس زنجیریں تھیں اور اتنی ہی بڑی بڑی آرائشی صلیبیں۔ پانچ بخور جلانے کے بیش قیمت طلائی ظرف تھے۔ ایک بہت بڑا سونے کا قدح تھا جس پر آرائشی بیلیں اور مے نوشی کے مناظر نقش تھے۔ دو تلوار کے نفیس قبضے تھے جن پر خوبصورت ابھرواں کام ہو رہا تھا۔ ان کے علاوہ بہت سی چھوٹی چھوٹی چیزیں تھیں جن کی تفصیل مجھے یاد نہیں۔ ان تمام اشیاء کا وزن ساڑھے تین سو پونڈ سے زیادہ تھا۔ اس اندازے میں میں نے وہ ایک سو ستانوے طلائی جیسی گھڑیاں شامل نہیں کیں جن میں سے ایک ایک پانچ سو ڈالر کی مالیت کی ہوگی۔ ان میں سے اکثر بہت پرانی تھیں۔ اور وقت دیکھنے کے کام کی نہیں رہی تھیں لیکن سب کی سب مرصع اور بیش قیمت تھیں۔ ہم نے اس رات سارے خزانے کی مالیت کا اندازہ پندرہ لاکھ ڈالر کے قریب لگایا۔ لیکن بعد میں یہ زیورات اور جواہر فروخت کئے

(بعض ہم نے اپنے استعمال کے لئے رکھ بھی لئے) تو معلوم ہوا کہ ہم نے اندازہ بہت کم کیا تھا۔

آخر جب ہم سارے مال کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر چکے اور ہماری بے تابی اور جوش کم ہوا تو لیگراں نے یہ دیکھ کر کہ اس عجیب معمّے کا حل جاننے کے لئے میری بے قراری حد سے بڑھی جا رہی ہے، متعلقہ واقعات تفصیل سے بیان کرنے شروع کئے۔

"تمھیں وہ رات یاد ہوگی جب میں نے تمہیں گھونگے کا نقشہ بنا کر دیا تھا۔ تمھیں یہ بھی یاد ہوگا کہ تم نے وہ نقشہ دیکھ کر کہا تھا کہ یہ تو کسی انسانی کھوپری کی شبیہ ہے۔ میں پہلے یہ بات سُن کر بہت جز بز بھی ہوا۔ شروع میں یہ سمجھا کہ تم مذاق میں کہہ رہے ہو لیکن بعد میں مجھے خیال آیا کہ گھونگے کی پیٹھ پر جو سیاہ خال ہیں اس کی بنا پر واقعی کھوپری سے مشابہت پیدا ہو گئی ہوگی۔ پھر تم نے میری مصوّرانہ قابلیت کا مذاق اڑانا شروع کیا۔ یہ مجھے بُرا لگا کیونکہ میں اچھا چابکدست نقّاش مشہور ہوں۔ جب تم نے مجھے وہ جھلّی واپس دی تو قریب تھا کہ میں اسے خفگی کے عالم میں مسل کر آگ میں پھینک دوں ۔ ۔ ۔ ۔"

میں نے بات کاٹ کر کہا: "تمہارا مطلب کاغذ کے اس ٹکڑے سے ہے؟"

لیگراں نے کہا۔ "ہاں وہ چیز کاغذ کا پُرزہ ہی نظر آتی تھی اور شروع میں میں اسے کاغذ ہی سمجھا لیکن جب میں اس پر نقشہ کھینچنے لگا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ کوئی باریک جھلّی ہے۔ جب میں اسے تمھارے ہاتھ سے لے کر مسلنے لگا تو اتفاق سے میری نظر اس شبیہ پر پڑ گئی اس وقت میری حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا

جب میں نے دیکھا کہ جہاں میں نے گھونگے کا نقشہ کھینچا تھا وہاں انسانی کھوپڑی کی ڈراؤنی شبیہہ نظر آ رہی ہے۔ کچھ دیر کے لئے میں بالکل ہونقا رہ گیا کیونکہ میں نے جو نقشہ کھینچا تھا وہ تفصیلات میں اس سے بہت مختلف تھا صرف عمومی مشابہت تھی۔ خیر میں شمع لے کر اٹھا اور کمرے کے ایک کونے میں بیٹھ کر بغور اس کا معائنہ کرنے لگا۔ جب میں نے اسے اُلٹ کر دیکھا تو مجھے اپنے ہاتھ کا کھینچا ہوا نقشہ نظر آیا۔ یہ معلوم کر کے مجھے اور زیادہ تعجب ہوا کہ جس مقام پر میں نے گھونگے کا نقشہ کھینچا تھا اس کے نیچے جھلّی کی پشت پر ایک انسانی کھوپڑی کا نقشہ موجود تھا اور مجھے اس کی خبر نہ ہوئی۔ یہ دونوں نقشے صرف بیرونی خطوط میں نہیں بلکہ سائز میں بھی باہم بالکل مشابہ تھے۔ اس عجیب و غریب اتفاق نے تھوڑی دیر کے لئے مجھے مبہوت کر دیا جیسے عالم میں یہی ہوا کرتا ہے۔ دماغ علّت و معلول کا تعلق ڈھونڈنے میں سرگرمی سے مصروف ہو جاتا ہے اور جب اس جستجو میں ناکام رہتا ہے تو تھک کر کچھ دیر کے لئے بیکار اور معطّل ہو جاتا ہے۔ جب یہ تعطّلِ فکر کی کیفیت رفع ہوئی تو مجھے ایک ایسی بات یاد آئی جو اس حیرت انگیز اتفاق سے بھی زیادہ حیران کُن تھی۔ مجھے یاد آیا کہ جب میں نے جھلّی پر گھونگے کا نقشہ کھینچا ہے اس وقت اس پر اور کوئی نقشہ موجود نہ تھا۔ مجھے یہ اچھی طرح یاد تھا کہ نقشہ کھینچتے وقت میں نے جھلّی کو خوب اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھ لیا تھا تاکہ اس کی میلی سطح کے صاف ترین حصّے کو کام میں لاؤں۔ اگر کھوپڑی کی شبیہہ اس وقت وہاں موجود ہوتی تو میری نظر اس پر ضرور پڑتی۔ یہ ایک ایسا عقدہ تھا جس کا حل میرے لئے بہت مشکل تھا۔ لیکن اس وقت بھی میرے نہاں خانۂ دماغ میں اس

حقیقت کی ایک کرن چمک اٹھی جس کا جلوہ کل رات کی محنت و کاوش نے ہمیں دکھایا ہے اس کی کیفیت اندھیری رات میں جگنو کے چمکنے کی طرح تھی۔ غرض میں نے اس جھلّی کو بحفاظت منتقل کر کے رکھ دیا تاکہ تنہائی میں اس پر غور کر سکوں۔

جب تم چلے گئے اور جیو پیٹر گہری نیند سو گیا تو میں نے اس جھلّی کا باقاعدہ معائنہ شروع کیا۔ پہلے تو میں نے یہ سوچا کہ جھلّی میرے پاس آئی کس طرح؟ وہ مقام جہاں پر ہم کو وہ گھونگا ملا، زمینِ خاص کے ساحل پہ تھا۔ جزیرے سے کوئی ایک میل مشرق کی طرف یہ جگہ آخری حد سے بس تھوڑی دُور پر تھی جب میں نے اُسے اُٹھایا تو اس نے میرے ہاتھ پہ کاٹا جس کی وجہ سے میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ جیو پیٹر ہمیشہ سے محتاط واقع ہوا ہے اس نے اس کو پکڑنے سے پہلے اِدھر اُدھر نظر ڈالی کہ کہیں کوئی پتّہ یا ایسی ہی کوئی چیز مِل جائے جس میں اسے لپیٹ کر جیب میں رکھ سکے۔ اس موقع پر اس کی اور میری آنکھیں جھلّی کے اُس ٹکڑے پہ پڑیں جسے میں اس وقت کاغذ سمجھا۔ یہ جھلی ریت میں دبی پڑی تھی بس ایک گوشہ باہر نظر آ رہا تھا۔ اس کے پاس ہی میں نے جہاز کی لمبی کشتی کے ٹوٹے ہوئے تختے دیکھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ڈھانچ مدّتِ مدید سے وہاں پڑا تھا کیونکہ بوسیدگی کی وجہ سے یہ پہچاننا تک مشکل تھا کہ وہ کسی کشتی کے تختے ہیں۔

خیر جیو پیٹر نے جھلی اٹھائی، گھونگے کو اس میں لپیٹا اور مجھے دے دیا۔ اس کے جلد ہی بعد ہم گھر واپس روانہ ہو گئے۔ راستے میں نقیبنٹ گ سے

ملاقات ہوئی۔ میں نے اسے وہ گھونگا دکھایا اور اس نے مجھ سے کہا کہ آج تو میں اسے قلعے میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ میں نے اسے اجازت دے دی تو اس نے گھونگے کو اس جھلی کے بغیر ہی اپنی واسکٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ اس وقت یہ جھلی میرے ہاتھ میں رہ گئی۔ لفٹیننٹ صاحب نے یہ سوچ کر کہ کہیں میرا ارادہ بدل نہ جائے فوراً قلعے کی راہ لی۔ آپ کو تو یہ معلوم ہی ہے کہ وہ ایسی چیزوں کا کس قدر شوقین ہے۔ معلوم ہوتا ہے اسی وقت بے خیالی کے عالم میں میں نے اس جھلی کو اپنی جیب میں ڈال لیا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے میز پہ کاغذ ڈھونڈا لیکن نہ ملا۔ میں نے درازیں کھولیں وہاں بھی کاغذ نہ تھا۔ اب میں نے جیبوں میں ڈھونڈا کہ کوئی پرانا خط مل جائے، لیکن اس کے بجائے یہ جھلی میرے ہاتھ آگئی ہے، اتنی تفصیلات اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ وہ حالات بھی عجیب اور دلچسپ ہیں جن میں یہ میرے ہاتھ آئی۔

اب تم یقیناً یہ کہو گے کہ یہ بڑی ٹھنکی کوڑی لاتا ہے۔ لیکن میں نے ان تمام باتوں میں ایک طرح کا تعلق تلاش کر لیا تھا اور ایک بڑی زنجیر کے دو حلقوں کو آپس میں ملا دیا تھا۔ یعنی سمندر کے ساحل پہ ایک طوفان زدہ کشتی کے تختے بکھرے پڑے تھے اور پاس ہی ایک جھلی — کاغذ نہیں بلکہ کھال کی جھلی ریت میں دبی پائی گئی جس پہ ایک کھوپڑی کی تصویر کھچی ہوئی تھی تم کہو گے کہ ان دونوں باتوں میں کیا تعلق ہے۔ سنو۔ انسانی کھوپڑی جو موت کی علامت سمجھی جاتی ہے، بحری قزاقوں کا نشان ہے۔ کھلے سمندر میں جب کبھی

قزاق معرکہ آرائی کرتے ہیں تو کھوپری کی تصویر والا نشان استعمال کرتے ہیں۔

میں نے اس بات پہ زور دیا ہے کہ ریت میں دبا ہوا جو ٹکڑا مجھے ملا وہ جھلّی تھی۔ کاغذ نہیں تھا۔ تم جانتے ہو کہ جھلّی بہت دیر پا ہوتی ہے اور اس پہ معمولی اندراجات شاذ و نادر ہی کوئی کرتا ہے۔ معمولی تحریر یا نقشہ کشی کے لئے یہ زیادہ موزوں بھی نہیں۔ ایسی صورت میں کھوپری کی شبیہ کا اس پر درج ہونا ضرور کوئی خاص معنی رکھتا تھا۔ پھر اس جھلّی کی شکل بھی قابلِ غور تھی۔ اگرچہ اس کا ایک گوشہ کسی حادثہ کی وجہ سے ضائع ہو گیا تھا لیکن صاف ظاہر تھا کہ شروع میں اس کی شکل مستطیل تھی اور اس قسم کا مستطیل قطعہ ہی کسی اہم یادداشت کے اندراج کے لئے موزوں تھا تاکہ مدت مدید کے لئے محفوظ ہو جائے۔

"لیکن" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "تم یہ کہہ چکے ہو کہ جب تم نے اس جھلّی پہ گھونگے کا نقشہ کھینچا تو کھوپری کی شکل اس پہ موجود نہ تھی پھر طوفان زدہ کشتی اور کھوپری کا باہمی تعلق تم کس طرح قائم کر رہے ہو؟ تمہارے بیان سے یہ ثابت ہے کہ کھوپری کی شبیہ اس جھلّی پہ گھونگے کا نقشہ کھینچے جانے کے بعد نمودار ہوئی۔ رہی بات یہ کہ اس شبیہ کا کھینچنے والا کون ہے اور اس نے یہ کیسے کھینچی۔ یہ میری سمجھ سے باہر ہے۔"

لیگراں نے کہا۔ یہی تو اصل راز ہے۔ اور اگرچہ بظاہر بہت دقیق نظر آتا ہے۔ لیکن اس کے حل میں مجھے اتنی زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ میرا طریق استدلال مجھے ایک ہی نتیجے پہ پہنچا سکتا تھا۔ میں نے اس طرح سوچنا شروع کیا۔ "جب میں نے جھلّی پہ گھونگے کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس پر کھوپری کی

شبیہ موجود نہ تھی۔ میں نے نقشہ کھینچ کر تمہارے حوالے کیا اور تم نے اسے دیکھ کر لوٹا دیا۔ اس دوران میں میں تمہیں برابر غور سے دیکھتا رہا۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ شکل تم نے نہیں بنائی تھی۔ اور کوئی شخص بھی بنانے والا موجود نہ تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کسی انسان کا کام نہ تھا۔ تاہم کھوپڑی کی تصویر جھلی پر اُتر آئی تو کیسے اُتر آئی؟"

"اب میں نے اپنے حافظے پر زور ڈال کر سوچنا شروع کیا۔ اور ہر واقعہ ایک ایک تفصیل کے ساتھ مجھے یاد آگیا۔ اتفاق سے اس شام خوب سردی پڑ رہی تھی اور آتش دان میں آگ دہک رہی تھی۔ میں چونکہ باہر سے گھوم کر آیا تھا اور جسم گرم تھا اسی لئے آگ سے دور میز کے پاس بیٹھا۔ لیکن تم آتش دان کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ جس وقت میں نے وہ جھلی تمہارے ہاتھ میں دی اور تم اسے دیکھنے لگے تو یک بیک ہمارا کتا دلف اندر چلا آیا اور کود کر تمہارے شانوں میں سوار ہو گیا۔ تم اسے اپنے بائیں ہاتھ سے پیار کرتے رہے اور تمہارا داہنا ہاتھ گھٹنوں کے بیچ میں سے ہو کر آگ کے اوپر اٹک گیا۔ ایک بار تو مجھے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں اس جھلی ہی کو آگ نہ لگ جائے اور میں تمہیں اس سے خبردار بھی کرنے لگا تھا۔ لیکن تم نے اتنے میں خود ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ اور از سر نو اس کے معائنے میں مصروف ہو گئے۔ ان باتوں پر غور کرنے کے بعد مجھے اس امر میں کوئی شبہ نہ رہا کہ جھلی پر جس کھوپڑی کا نقشہ میری نظر سے گذرا اس کے نمودار ہونے کا باعث آگ کی حرارت تھی تمہیں معلوم ہے دنیا میں ایسے مرکبات موجود ہیں اور ہمیشہ سے موجود رہے ہیں۔ جن کی روشنائی سے اگر کاغذ یا جھلی پر کچھ لکھا جائے تو حروف صرف اسی صورت میں نمایاں ہوں گے۔ جب کہ انھیں آگ کے سامنے کیا جائے۔ مثلاً اگر زاقر کو ماء

شاہی میں حل کر کے اس میں چوگنا پانی ملایا جائے اور اسی سے کاغذ پر لکھا جائے تو کاغذ کو آگ کے سامنے رکھنے سے سبز حروف نمایاں ہو جائیں گے کوبالٹ کے کچ دھاتے کو اگر شورے کی اسپرٹ میں حل کریں تو سرخ حروف نمایاں ہوں گے۔ ان مرکبات سے لکھنے کے تھوڑی دیر بعد حروف غائب ہو جاتے ہیں۔ لیکن حرارت دکھانے سے تحریر پھر نمایاں ہو جاتی ہے۔

اب میں نے کھوپری کا معائنہ نہایت احتیاط سے کرنا شروع کیا۔ شبیہ کا وہ حصّہ جو جھلّی کے بالائی حاشیے کے قریب تھا وہ دوسرے حصّوں کے مقابلے میں زیادہ نمایاں تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ مرکب کا اثر یا تو ناتمام ہے یا غیر مساوی ہے۔ میں نے اسی وقت آگ جلائی اور جھلّی کے ہر حصے کو دہکتے کوئلوں کی آنچ پہنچائی۔ اوّل اوّل تو اس کا اثر صرف اسی قدر ظاہر ہوا کہ کھوپری کی شکل کے مدھم نقوش نمایاں ہوئے لیکن کچھ اور دیر آنچ میں رکھنے پر کھوپری کے مقابل کے زیریں کونے میں ایک شکل نمودار ہوئی جسے پہلے تو میں نے بکری تصور کیا لیکن غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ بکری کا چھوٹا بچہ ہے۔

"ہا ہا" میں نے کہا — "مجھے تم پر ہنسنے کا کوئی حق نہیں اس لئے کہ پندرہ لاکھ کا مال کوئی ایسی بات نہیں جسے ٹھٹھے میں اڑایا جا سکے لیکن کہیں تم اپنے استدلال کی زنجیر کے لئے یہ تیسرا حلقہ تو نہیں بنا رہے ہو۔ بکری قزاقوں اور بکریوں میں کیا رشتہ ہو سکتا ہے۔ بکری کا تعلق کسان یا زراعت سے تو ہے ڈاکوؤں سے اسے کیا واسطہ"

لیگران نے کہا — "میں نے تو خود کہا ہے کہ وہ شبیہ بکری کی نہ تھی"

"ایک ہی بات ہے۔ بکری ہوئی یا بکری کا بچہ ہوا کونسا بڑا فرق ہے۔"

لیگراں نے کہا۔" بڑا فرق نہ ہو بہر حال کچھ تو فرق ہے۔ تم نے مشہور بحری قزاق کپتان کڈ کا نام سنا ہوگا۔ کڈ انگریزی زبان میں بکری کے بچے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ جھلی پہ بکری کے بچے کی تصویر دیکھ کر میں نے فوراً یہ نتیجہ نکالا کہ یہ اس قزاق کے دستخطوں کی قائم مقام ہے۔ چونکہ یہ زیریں حصے میں تھی۔ اس لئے مجھے اس پہ دستخط کا گماں ہوا۔ اسی طرح کھوپڑی کی تصویر بالائی حصے کے ایک گوشے میں مہر کی قائمقامی کر رہی تھی۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ اور کچھ بھی نہیں سیاق و سباق ہے۔ لیکن متن نہیں۔"

"میرے خیال میں تمہیں یہ توقع تھی کہ مہر اور دستخطوں کے درمیان مکتوب ہوگا۔"

"ہاں! کچھ میرا اسی قسم کا خیال تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میرا دل گواہی دے رہا تھا۔ کہ کوئی بہت بڑی دولت میرے ہاتھ لگنے والی ہے۔ اس کی وجہ مجھے معلوم نہیں شاید دولت کی آرزو نے تصور کا روپ دھار لیا تھا۔ پھر جیو پیٹر کے اس احمقانہ خیال نے کہ یہ گھونگا طلائے خالص کا بنا ہوا ہے میرے واہمے کی بنیاد اور مضبوط کر دی۔ پھر واقعات اور اتفاقات کا سلسلہ بھی تو معمولی نوعیت کا نہ تھا۔ کیا یہ عجیب و غریب اتفاق نہیں کہ ان تمام واقعات کو اس ایک دن کی شام کو پیش آنا تھا جب کہ سردی یکایک چمک گئی تھی اور آتش دان میں آگ جلانے کی ضرورت پیش آئی تھی۔ اگر یہ آگ نہ ہوئی اور برلین اس وقت جب کہ تم وہ نقشہ دیکھ رہے تھے کمرے میں کتا نہ آ داخل ہوتا تو کبھی مجھے کھوپڑی کا علم نہ ہوتا نہ یہ گنج شائیگاں میرے ہاتھ لگتا۔"

میں نے کہا — "اب آگے چلو۔ میں پوری بات سننے کے لئے بیتاب ہوں۔"
لیگراں نے کہا — "وہ کہانیاں تو تم نے سنی ہوں گی، جو زبان زدِ خاص و عام ہیں کہ کڈاویراس کے ساتھیوں نے بہت بڑی دولت بحرادقیانوس کے ساحل کے کسی نامعلوم مقام پر زمین میں گاڑ دی تھی۔ اس قسم کی افواہوں کی کچھ نہ کچھ بنیاد تو ضرور ہوتی ہے۔ یہ روایتیں جو اتنے زمانے سے اسی طرح مشہور چلی آرہی ہیں اس کی وجہ میرے نزدیک صرف یہی تھی کہ وہ خزانہ ابھی تک مدفون تھا۔ اگر کڈ نے اسے بعد ازاں نکال لیا ہوتا تو روایت اپنی موجودہ صورت میں ہم تک نہ پہنچتی۔ اور پھر ایک بات پر تم نے غور کیا ہوگا کہ ان روایتوں میں ہمیشہ خزانے کے متلاشیوں کا ذکر ہوتا ہے۔ کسی روایت یا داستان میں تم یہ ذکر نہ پاؤ گے کہ یہ خزانہ کسی کو مل گیا۔ اگر اس قزاق نے اس دفینے کو نکال لیا ہوتا تو قصہ کبھی کا ڈوب دبا گیا ہوتا۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ کسی وجہ سے وہ خزانے کی بازیابی کا سراغ کھو بیٹھا — مثلاً ہو سکتا ہے کہ وہ یادداشت اس سے گم ہو گئی ہو جس پر کڈ نے دفینے کی مقامیت کے نشان درج کئے تھے۔ اور یوں وہ اس خزانے کو بازیاب نہ کر سکا۔ شدہ شدہ اس کی خبر اس کے ساتھیوں کو ہو گئی انھوں نے بھی اس کو تلاش کرنے کی اٹکل پچو کوششیں کی ہوں گی اور ناکام رہے۔
انہی لوگوں نے اس کا چرچا عام کیا ہوگا۔ اور ان روایتوں کو جنم دیا ہوگا جو اب اس قدر مشہور ہو گئی ہیں کہ سب کی زبانوں پہ ہیں۔ کیا تم نے کبھی سنا ہے کہ بحرادقیانوس کے ساحل پہ کسی کو کوئی بڑا خزانہ دستیاب ہوا ہو۔
"کبھی نہیں"

"یہ تو سب جانتے ہیں کہ کڈ نے مار دھاڑ کر کے بہت مال جمع کیا تھا۔ میں نے یہی فرض کیا کہ وہ ابھی تک زمین میں مدفون ہے۔ تمھیں یہ سن کر تعجب نہ ہونا چاہیئے کہ میرے دل میں یہ اُمید یقین کی حد تک جڑ پکڑ گئی تھی کہ اس جھلی پر جو ان عجیب حالات میں میرے ہاتھ لگی ہے۔ دفینے کی جائے وقوع کا راز مرقوم ہے۔"

"اچھا تو پھر تم نے کیا کیا۔"

"میں نے آگ اور تیز کر دی اور جھلی کو اس پر پھیلا دیا۔ لیکن اس پر کوئی نقش نمایاں نہ ہُوا۔ اب میں نے سوچا کہ ممکن ہے جھلی پر میل جم گیا ہو اور اس کی وجہ سے حرارت اپنا اثر نہ کرتی ہو۔ میں نے اس پر گرم پانی کا تر پیڑا دیا جس سے اس کا میل اچھی طرح چھوٹ گیا۔ اب میں نے اسے ٹین کے ایک طشت میں اس طرح رکھا کہ کھوپڑی کا رُخ نیچے کی طرف تھا۔ اس طشت کو میں نے دہکتے انگاروں پر گرم کیا۔ چند منٹ میں یہ طشت پوری طرح گرم ہو گیا تو میں نے جھلی کو اٹھایا اور یہ دیکھ کر میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اس پر متعدد جگہ اعداد و اشکال سطور کی صورت میں مرتب تھے۔ میں نے اس جھلی کو اس طشت میں رکھ کر ایک منٹ تک اور حرارت پہنچائی اور اب کے جو ہٹایا تو یہ صورت نظر آئی جو تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔"

لیگراں نے جھلی کو پھر آگ پر گرم کیا اور مجھے دکھایا اس پر کھوپڑی اور بکری کے درمیان سُرخ روشنائی میں حسب ذیل تحریر نمایاں تھی۔

53‡‡†305))6*;4826)4‡.)4‡);806*;
48†8¶60))85;1‡(;:‡*83(88)5*†;46
(;88*96*?;8)*‡(;485);5*†2:*‡

(;4956*2(5*−4)8¶¶8*;4069285);)
6+8)4‡‡‡;1(‡9;48081;8:8‡1;4885;4)

میں نے اسے یہ تحریر واپس کرتے ہوئے کہا۔

"میری سمجھ میں تو اب بھی خاک نہیں آیا۔ اگر اس چیستاں کے حل کرنے پر گولکنڈہ کے تمام جواہر ملنے کا انحصار ہو، تب بھی مجھے یقین ہے کہ میں اسے حل نہ کر پاؤں گا۔"

لیگرا ن نے کہا — "اس کے باوجود اس کا حل اتنا مشکل نہیں جتنا تم نے سرسری نظر سے دیکھ کر سمجھ لیا ہے۔ یہ تو ہر کوئی قیاس کر سکتا ہے کہ یہ عبارت کوئی خفیہ پیغام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے کچھ معنی ہیں۔ کڈ کی استعداد کو دیکھتے ہوئے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کوئی بہت دقیق اور عسیر الفہم رمزی تحریر لکھ سکتا ہے۔ لہٰذا میں نے یہ فوراً سمجھ لیا کہ یہ سادہ قسم کی رمزی تحریروں میں سے ہوگی — جسے ایک موٹی عقل کا جہازی کلید کے بغیر ناقابل حل تصور کرے گا۔"

اور تم نے اسے واقعی حل کر لیا؟"

"فوراً — میں نے تو اس سے دس ہزار گنا زیادہ دقیق چیستانیں حل کی ہیں ایک تو رحجان طبع دوسرے مواقع ایسے ملے کہ مجھے اس قسم کے معمولی سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ میں نہیں سمجھتا کہ انسان کا ذہن کوئی ایسی چیستاں بنا سکتا ہے جسے کوئی دوسرا انسانی ذہن مقررہ قاعدوں اور اصولوں کے صحیح استعمال سے حل نہ کر سکے۔ ایک بار حروف دریافت کرنے اور ملانے کے بعد تو میں نے ان کے معنی متعین کرنے کی مشکل کو قابل اعتنا ہی نہیں سمجھا۔"

"اس تحریر میں ـــ اور تمام خفیہ تحریروں میں پہلی بات دریافت کرنے کی یہ ہوتی ہے کہ یہ ہے کس زبان میں۔ کیونکہ اس کے حل کرنے کے اصول، خصوصاً سادہ قسم کی رمزی تحریروں کے حل کرنے کے اصول ہر زبان کی خصوصیات کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ عام طور پر حل کرنے والے شخص کو ہر اُس زبان کے اصول آزما کر دیکھنے پڑتے ہیں (اور اس میں قیاس سے مدد ملتی ہے) جس سے وہ واقف ہے حتیٰ کہ تحریر کی زبان متعین ہو جائے۔ اب اس تحریر میں دستخط کی وجہ سے ہمیں ایسی کوئی الجھن درپیش نہیں۔ لفظ کڈ کے دو معنی ہونے کا جو فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ یعنی بز غلے کی شکل سے دستخط کا کام لیا گیا ہے۔ وہ صرف انگریزی زبان میں ممکن ہے بکری کے بچے کے معنی میں کڈ صرف انگریزی میں آتا ہے۔ یہ نکتہ نہ ہوتا تو میں ہسپانوی اور فرانسیسی زبانوں سے اپنے تجزیے کی ابتدا کرتا، کیونکہ بحیثیت ایسے میں ڈاکے ڈالنے والے قزاق سے قدرتاً یہی توقع ہوتی ہے کہ وہ ان دو میں سے کسی زبان میں ایسی تحریر لکھے گا۔ بہرحال میں نے وہ وجہ بیان کر دی جس سے میں نے یہ فرض کیا کہ تحریر انگریزی کی ہے۔"

"آپ نے یہ دیکھا ہوگا کہ الفاظ کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں۔ اگر فاصلہ ہوتا تو کام نسبتہً آسان ہوتا۔ میں سب سے پہلے چھوٹے الفاظ کا موازنہ اور تجزیہ کرتا اور اگر کہیں کسی ایک ہی حرف پر مشتمل کوئی لفظ ہوتا (جیسے a یعنی ایک یا I یعنی میں) تو حل بہت آسان ہوتا۔ لیکن چونکہ اس عبارت میں لفظوں کے درمیان فاصلہ کوئی نہیں، اس لئے سب سے پہلے مجھے یہ دریافت کرنا پڑا کہ سب سے زیادہ اور سب سے کم کون سے حروف آئے ہیں۔ گنتی کرنے کے بعد میں نے حسب ذیل

نقشہ تیار کیا :-

5	کی علامت	۳۳	جگہ آتی ہے
3	〃	۲۶	〃
4	〃	۱۹	〃
⊤	〃	۱۶	〃
※	〃	۱۳	〃
5	〃	۱۲	〃
6	〃	۱۱	〃
ſ1	〃	۸	〃
o	〃	۶	〃
92	〃	۵	〃
:3	〃	۴	〃
?	〃	۳	〃
9ſ	〃	۲	〃
—	〃	ایک	〃

انگریزی میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والا حرف e ہے اس کے بعد a کا نمبر آتا ہے پھر o کا، پھر خ کا. پھر علی الترتیب d، h، n، w، m، r، s آتے ہیں۔ پھر اسی ترتیب میں I، u، c، f، g، l، m، w، y، p، k، b، x، j، اور سب سے بعد میں z۔ حرف e تو انگریزی تحریر میں اتنا زیادہ آتا ہے

کہ ایسا کوئی چھوٹا یا بڑا فقرہ شاید ہی بن سکے۔ جس میں یہ سب سے زیادہ استعمال نہ ہوا ہو۔
گویا ہمارے پاس قیاس سے زیادہ مضبوط بنیادیں موجود ہیں۔ اس نقشے کا عام فائدہ تو ظاہر ہے لیکن موجودہ صورت میں ہمیں صرف ایک حد تک اس سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ اس تحریر میں سب سے زیادہ 8 کی علامت آتی ہے ہم اسے e کا قائم مقام تصور کریں گے۔ اس مفروضے کی تصدیق کے لئے دیکھئے آیا 8 مکرر صورت میں اکثر جگہ استعمال ہوا ہے کیونکہ e انگریزی میں اکثر دوہرا آتا ہے جیسے

Been. Seen. Steel. Feet. Meet. agree

وغیرہ الفاظ میں۔ اس تحریر میں یہ پانچ جگہ مکرر صورت میں آیا ہے۔ حالانکہ عبارت اتنی مختصر ہے۔

تو گویا یہ فرض کر لیجئے کہ 8 کی علامت e کی قائم مقام ہے۔ اب یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ سب سے زیادہ استعمال ہونے والا لفظ the ہے۔ یہ دیکھئے آیا ایسا کوئی سہ حرفی مرکب اس عبارت میں اکثر جگہ آیا ہے۔ جس میں حروف کی ترتیب وہی ہو، اور آخری نشان 8 ہو۔ اگر آیا ہے تو قیاس غالب یہی ہے کہ وہ لفظ the کو ظاہر کرتا ہے۔ تحریر کو دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ 8 ;4 ذ کا سہ حرفی مرکب سات جگہ استعمال ہوا ہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ; کا نشان t کی جگہ ; کا ہندسہ h کی جگہ اور 8 کی علامت حرف e کی جگہ استعمال ہوتی ہے اس آخری حرف کی تو اچھی طرح تصدیق ہو گئی۔ چلئے ایک بڑا مرحلہ طے ہوا۔

اس ایک لفظ کے حل کر لینے کا بہت بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ ہم دوسرے بہت سے الفاظ کے پہلے اور آخری حروف متعین کر سکتے ہیں۔ مثال کے لئے آخر

کی طرف سے چل کر دوسرے ▯ پر آیئے۔ یہ خانے سے زیادہ دور نہیں۔
ہم یہ جانتے ہیں کہ اس کے بعد ▯ کا جو نشان ہے۔ وہ کسی لفظ کا پہلا حروف ہے
اس ▯ کے بعد جو چھ حروف ہیں ان میں سے پانچ کو ہم پہچانتے ہیں۔ ان کو
لکھ کر دیکھئے اور نا معلوم حرف کی جگہ خالی چھوڑ دیجئے یہ کیا بنا؟

[▯▯ ▯

اس آخری ▯ کو تو چھوڑیئے کیونکہ یہ اس لفظ کا جزو معلوم نہیں ہوتا جو
پہلے ▯ سے شروع ہوا ہے۔ کیونکہ سارے حروف تہجی میں سے ایک کے بعد
ایک موزوں حرف آزمانے پر پتہ چلتا ہے کہ کوئی ایسا لفظ نہیں بن سکتا جس میں
▯ بطور جزو شامل ہو۔ اب ہمارے پاس باقی رہا ▯ حرف،

τ ▯▯

پہلے کی طرح ایک کے بعد ایک حرف آزمانے پر یہ دریافت ہوتا ہے
کہ ▯▯▯ کے علاوہ کوئی لفظ نہیں بنتا۔ گویا اب ہمیں لفظ ▯ کی کلید بھی مل گئی۔ اس کا
قائمقام ہے، عبارت میں دو لفظ بالکل پاس پاس متعین ہو گئے ▯▯▯ ان
لفظوں کے بعد تھوڑی دور پر پھر ▯ کا مرکب آتا ہے۔ اس کو پہلے کی عبارت سے
ملائیں تو حسب ذیل صورت بنتی ہے۔

▯▯▯ ▯ (▯ ▯ ▯)

اب ان حروف کو استعمال کر کے دیکھئے جنھیں ہم معلوم کر چکے ہیں۔

▯▯▯ ▯▯▯ ▯ ▯ ▯

اگر ہم نا معلوم حروف کی جگہ خالی چھوڑ دیں یا وہاں نقطے دے دیں تو یہ

صورت بنے گی۔

The Tree thr...h The

فوراً پتا چل جائے گا کہ تیسرا لفظ Through ہے اس انکشاف سے ہمیں تین اور حروف معلوم ہو گئے ایک تو ہ دوسرے g تیسرے h جن کے قائم مقام اس عبارت میں بالترتیب ‡، ہ اور 3 ہیں۔

اب معلومہ حروف کے مرکبات تلاش کرتے ہوئے ہمیں عبارت کے آغاز کے قریب یہ ترتیب ملتی ہے۔

83(88

یہ ہمارے حساب سے ہوا degree صاف نظر آجائے گا کہ یہ لفظ degree کا تتمہ ہے، اب ہمیں d کا حرف بھی معلوم ہو گیا جس کا قائم مقام ہے +

آگے چلئے degree سے چار حرف چھوڑ کر ہمیں یہ مرکب ملتا ہے۔

;(48‡88

اب معلومہ حروف استعمال کرکے اور نامعلوم حروف کی جگہ نقطے دے کر دیکھئے۔

Th.rTee.

فوراً ذہن میں لفظ Thirteen آتا ہے۔ اس سے ہمیں مزید دو حروف بھی مل جاتے ہیں i اور n۔ ان میں سے i کی نمائندگی 6 کرتا ہے اور n کی *

اب اس چیستاں کے آغاز کو لیجئے۔ حسب ذیل مرکب ملے گا۔

53‡‡†

ہماری کلید کے اعتبار سے یہ ہوا

good

ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ پہلا حرف A ہے اور عبارت کے پہلے دو الفاظ ہوئے

A good

اب ہمیں معلومہ حروف کا ایک نقشہ بنا کر آگے چلنا چاہیے۔ اس سے آسانی رہے گی۔

٥	کا مطلب ہے	a
T	"	d
8	"	e
3	"	g
6	"	h
*	"	i
‡	"	m
)	"	n
٧	"	o
٦	"	r
٧	"	t

ہمیں اس طرح دس اہم ترین حروف مل گئے۔ اب اس حل کی مزید تفصیلات بیان کرنا غیر ضروری ہے۔ میری وضاحت نے تمھیں قائل کر دیا ہوگا کہ اس قسم کی رمزی تحریریں آسانی سے دریافت ہو جاتی ہیں اور آپ سمجھنے لگے ہیں کہ ان

کے اصول کیا ہیں۔ بہر صورت یہ یقین رکھئے کہ ہمارے سامنے جو نمونہ ہے وہ رمزی تحریروں کی آسان ترین قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ اب فقط اس جھلی پر لکھی ہوئی علامتوں کو سیدھے سادے انگریزی حروف میں منتقل کرنا باقی ہے یہ لیجئے۔

"A good glass in the bishop's hostel in the devil's seat forty-one degrees and 13 minutes north-east and by north main branch 7th limb east side shoot from the left eye of the death's-head a bee line from the tree through the shot fifty feet out."

(بشپ کے ہوسٹل میں شیطان کی نشست میں ایک اچھا شیشہ
اکیس درجے اور تیرہ دقیقے بجانب شمال مشرق و شمال اصل تنے
کا مشرق کی طرف کا ساتواں ٹہنا کھوپری کی بائیں آنکھ میں سے
گولی چلاؤ نشانے میں سے ہوتا ہوا شہد کی مکھی کی اڑان کا خط
پچاس فٹ آگے تک)

"لیکن میرے لئے تو یہ اب بھی ویسا ہی ناقابلِ فہم ہے جیسا پہلے تھا" میں نے کہا۔ آخر اس "شیطان کی نشست" "کھوپری" اور "بشپ کا ہوسٹل" کے کیا معنی ہیں۔

"میں مانتا ہوں" لیگران نے جواب دیا "کہ سرسری نظر سے دیکھنے پر معاملہ واقعی مشکل نظر آتا ہے۔ میں نے سب سے پہلے یہ کوشش کی کہ اس عبارت کو ان قدرتی

فقرات میں تقسیم کردوں جو اس کے کاتب کے ذہن میں تھے۔"

" لیکن اس کی صورت "

" میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ لکھنے والے نے الفاظ کو اس لئے یکجا کر دیا ہے اور ان کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں چھوڑا تاکہ اس کا حل کرنا مشکل ہو جائے اب اگر کوئی شخص غیر معمولی طور پر ذہین نہیں ہے تو وہ یقیناً اس احتیاط کو دوسری انتہا کو پہنچا دے گا یعنی الفاظ کے درمیانی وقفے کی جگہ پر وہ حرفوں کو اور گنجان کر دے گا۔ اگر آپ اس تحریر کو دیکھیں تو پانچ مقامات ایسے پائیں گے جہاں حروف غیر معمولی طور پر گنجان ہو گئے ہیں۔ اس اصول کو سامنے رکھ کر میں نے بمطابق قرینہ وقفے بنائے۔

"A good glass in the Bishop's hostel in the Devil's seat— forty-one degrees and 13 minutes— north-east and by north— main branch seventh limb east side— shoot from the left eye of the death's-head— a bee line from the tree through the shot fifty feet out."

(بشپ کے ہوٹل میں شیطان کی نشست میں ایک اچھا شیشہ
اکیس درجے اور تیرہ دقیقے — بجانب شمال مشرق و شمال —
اصل تنے کا مشرق کی طرف کا ساتواں ٹہنا — کھوپڑی کی بائیں
آنکھ میں سے گولی چلاؤ — نشانے میں سے ہوتا ہوا شہد کی مکھی کی
اڑان کا خط پچاس فٹ آگے تک)

"ان دقتوں کے باوجود میرے پلّے کچھ نہیں پڑا"

"چند دن تک تو میرے پلّے بھی کچھ نہیں پڑا" لیگراں نے جواب دیا۔ سولاس دوران میں میں جزیرہ سلیوان کے نواح میں ایسی عمارت کی تلاش کرتا رہا جس کا نام "بشپ کا ہوٹل" ہو کیونکہ "ہوسٹل" کا لفظ تو اب متروک ہے۔ مجھے اس سلسلے میں کوئی کامیابی نہ ہوئی اور میں اپنی تحقیقات کا دائرہ وسیع کر کے زیادہ باقاعدگی سے جستجو شروع کرنے کو تھا کہ ایک صبح یکایک میرے ذہن میں آیا کہ "بشپ کا ہوسٹل" سے کہیں قدیم بیب گھرانے کی طرف اشارہ تو نہیں جو اس جزیرے کے کوئی چار میل شمال میں صدیوں سے ایک گڑھی کا مالک چلا آتا ہے۔ میں اس جاگیر میں گیا اور وہاں کے پرانے حبشی باشندوں سے پوچھ گچھ کی۔ آخر ایک بہت ضعیف اور سیاہ سال عورت نے بتایا کہ میں نے "بیب قلعہ" کا نام ضرور سنا ہے لیکن یہ مقام نہ قلعہ ہے نہ سرائے بلکہ ایک چٹان کا نام ہے۔

میں نے اسے پیش کش کی کہ اگر اس مقام تک میری رہنمائی کرو تو میں اس تکلیف کا معقول معاوضہ دینے کو تیار ہوں۔ تھوڑے تامل کے بعد وہ رضامند ہو گئی۔ "قلعہ" کیا تھا گھاٹیوں اور چٹانوں کا ایک بے قاعدہ سلسلہ تھا۔ ان میں ایک چٹان دوسری سے الگ تھلگ کھڑی تھی اور بلندی میں سب سے ممتاز تھی۔ دیکھنے میں یہ قدرتی کے بجائے مصنوعی نظر آتی تھی۔ میں اس پر چڑھ کر چوٹی تک پہنچ گیا۔ لیکن آگے کیا کیا جائے۔ یہ سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔

میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ چٹان کے مشرقی پہلو میں مجھے ایک چھوٹی سی کگر نکلی ہوئی دکھائی دی یہ اس چوٹی سے، جس پر میں کھڑا تھا، کوئی ایک گز نیچے ہو گی۔ یہ کوئی

بقدر اٹھارہ انچ باہر نکلی ہوئی تھی اور چوڑان میں ایک فٹ سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے عین اوپر چٹان کے اندر طاقچہ سا بنا ہوا تھا جس سے اس نشست کی صورت کچھ حد تک کھوکھلی پشت والی ان کرسیوں سے مشابہ ہو گئی تھی جنہیں ہمارے یہ رگ استعمال کیا کرتے تھے۔ اب مجھے کوئی شبہ نہ رہا کہ اس تحریر میں شیطان کی نشست سے یہی جگہ مراد ہے۔

"اچھا شیشہ" کے متعلق میں نے یہ قیاس کیا کہ اس کا مطلب سوائے دوربین کے کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ لفظ "شیشہ" کو جہازی لوگ اور معنوں میں کم ہی استعمال کرتے ہیں۔ میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہاں دوربین کا استعمال مطلوب ہے وہ بھی ایک مخصوص زاویے سے جس سے انحراف کی گنجائش نہیں۔ یہ بھی میں نے فوراً سمجھ لیا کہ "اکیس درجے اور تیرہ دقیقے" دراصل دوربین کا رخ متعین کرنے کے لئے ہدایتیں ہیں۔ انکشاف پر میرا حوصلہ بہت بڑھا اور میں نے گھر واپس آکر ایک دوربین لی اور پھر چٹان پر جا پہنچا۔

چوٹی سے میں اس کگر پر اتر گیا۔ معلوم ہوا کہ یہاں آپ ایک ہی زاویے سے بیٹھ سکتے ہیں اس سے ذرا بھی ہلیں گے تو نیچے گر جائیں گے۔ اس امر سے میرے قیاس کی تصدیق ہو گئی۔ اب میں نے دوربین لگا کر دیکھا۔ "اکیس درجے اور تیرہ دقیقے" کا مطلب سوائے اس کے کیا ہو سکتا تھا کہ افق کی لکیر کے اوپر اتنے ارتفاع پر دیکھا جائے۔ الفاظ "سمت شمال مشرق اور شمال" سے افق کی سمت بھی صاف طور پر متعین کر دی گئی تھی۔ یہ سمت میں نے ایک جیبی قطب نما سے فوراً دریافت کر لی اور پھر قیاس سے اکیس درجے کا زاویہ بنا کر دوربین سیدھی کی۔ میں نے

اسے نہایت احتیاط سے اوپر نیچے گھما کر دیکھا حتیٰ کہ مجھے ایک بڑے درخت کے چھتر میں دائرے کی شکل کا ایک روزن نظر آیا۔ یہ درخت بہت دور تھا اور گرد کے سب درختوں سے اونچا نظر آ رہا تھا۔ اس خلا کے عین وسط میں مجھے ایک سفید نقطہ دکھائی دیا۔ دوربین کو جما کر غور سے دیکھا تو پتا چلا کہ وہ انسانی کھوپری ہے

اس دریافت پر میرا حوصلہ اور بڑھا اور میں سوچنے لگا کہ یہ معمّا بس حل ہو گیا کیونکہ "اصل تنے کا مشرق کی طرف کا ساتواں ٹہنا" کے جملے محض کھوپری کی مقامیت کی نشان دہی کرتے تھے "کھوپری کی بائیں آنکھ میں سے گولی چلاؤ" کا بھی مدفون خزانے کی تلاش کے ضمن میں ایک ہی مطلب ہو سکتا تھا وہ مطلب یہ تھا کہ کھوپری کی بائیں آنکھ میں سے سیسے کی گولی نیچے گراؤ۔ شہد کی مکھی ہمیشہ خط مستقیم میں اڑتی ہے لہذا تنے سے قریب ترین نقطے سے ایک خط مستقیم گولی کے گرنے کی جگہ میں سے گزرتا ہوا کھینچو، اسے اس جگہ سے پچاس فٹ اور آگے بڑھاتے جاؤ۔ اس کے نقطۂ اختتام کے نیچے کھودنے سے کسی دفینے کا نکلنا یقینی نہیں تو ممکن ضرور ہے۔

میں نے کہا۔ "تمہاری وضاحت سے بات بالکل صاف ہو گئی۔ معاملہ عجیب و غریب ہے لیکن تمہاری وضاحت کے بعد صاف ہو گیا۔ خیر تو بشپ کے ہوٹل سے رخصت ہونے کے بعد تم نے کیا کیا۔؟"

"درخت کے محل وقوع کو اپنے ذہن میں محفوظ کر کے میں گھر واپس آ گیا۔ لیکن "شیطان کی نشست" کو چھوڑنے کی دیر تھی کہ گول روزن غائب ہو گیا۔ بعد میں بھی میں نے کئی بار مڑ کر دیکھا لیکن مجھے یہ نظر نہ آیا۔ طرفہ ماجرا یہ ہے کہ تجربے نے

اس کی تصدیق کردی ہے، کہ مذکورہ روزن چٹان کی اس مختصر سی گگر کے علاوہ اور کہیں سے نظر ہی نہیں آتا۔

"بشپ کے ہوٹل" کی مہم میں جیوپیٹر بھی میرے ہمراہ تھا۔ وہ کئی ہفتے سے دیکھ رہا تھا کہ میں کسی خیال میں کھویا رہتا ہوں، لہٰذا وہ خاص طور پر اس بات کی احتیاط رکھتا تھا کہ مجھے اکیلا نہ چھوڑے۔ لیکن اگلی صبح میں بہت سویرے اٹھ گیا اور اس کی نظر بچا کر اس درخت کو تلاش کرنے کے لئے پہاڑیوں کی طرف نکل گیا کافی وقت اور جستجو کے بعد یہ مجھے مل گیا۔ جب میں رات کو گھر واپس آیا تو میرا خدمت گار ڈنڈا لئے بیٹھا تھا۔ بعد کی تفصیلات تو آپ بخوبی جانتے ہیں"

میں نے کہا۔ "میرے خیال میں پہلی کھدائی میں تمہیں اصل جگہ اس لئے نہ مل سکی کہ جیوپیٹر نے ازراہ حماقت گھونگے کو بائیں آنکھ کے بجائے دہنی آنکھ میں سے گرا دیا تھا۔"

بالکل یہی بات ہے۔ ہدف میں یعنی گرنے کے مقام میں تو صرف ڈھائی انچ کے قریب فرق پڑتا اگر خزانہ نشانے کی جگہ کے نیچے ہوتا تو یہ فرق کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔ لیکن نشانہ اور درخت کا نزدیک ترین مقام تو محض سمت نما خط کی مقامیت متعین کرنے کے لئے دو نقاط کا درجہ رکھتے تھے۔ جوں جوں وہ خط نشانے کے مقام سے آگے بڑھتا گیا، فرق زیادہ ہوتا گیا اور پچاس فٹ پر جا کر تو ہم مطلوبہ مقام سے بہت دور جا پڑے۔

"میرے خیال میں کڈ کے ذہن میں کھوپری کا خیال — یعنی کھوپری کی آنکھ میں سے گولی چلانے کا خیال قزاقوں کے جھنڈے کے نشان سے پیدا ہوا۔ اس خوفناک

نشان کی مدد سے خزانے کی بازیابی کے خیال میں ایک شاعرانہ تلازمہ ضرور ملحوظ تھا"

" ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو لیکن میرے خیال میں شاعرانہ تلازمے کے علاوہ اس میں بڑی سمجھ بوجھ کا بھی مظاہرہ کیا گیا ہے۔ شیطان کی نشست سے کوئی چھوٹی چیز اسی صورت میں نظر آ سکتی تھی اگر وہ سفید رنگ کی ہو اور اس مطلب کے لئے انسانی کھوپری سے موزوں تر کوئی چیز نہیں جو موسمی اثرات کے باوجود سفید رہتی ہے بلکہ اس کی سفیدی اور نکھرتی ہے۔"

" لیکن الفاظ کے طلسم باندھنے اور اس گھونگے کو گھمانے سے تمہارا مطلب کیا تھا۔ میں تو سمجھا تھا کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے اور پھر تم کھوپری کے اندر سے گولی چلانے کے بجائے اس گھونگے کو پھینکنے پر کیوں مصر تھے"

" بات صرف یہ ہے کہ تم لوگ میری سلامتیٔ عقل پر جو شک کرتے تھے اس سے مجھے چڑ پیدا ہوئی اور میں نے طے کر لیا کہ ایسی حرکتیں کروں جن سے تم بھی چکرا جاؤ۔ اسی وجہ سے میں نے گھونگے کو جھلا کر درخت پر سے لٹکوایا۔ تم نے اس کے بہت بھاری ہونے کا ذکر کیا تھا۔ اس سے مجھے یہ خیال سوجھا کہ اس سے سیسے کی گولی کا کام لیا جا سکتا ہے"

" اب سمجھا۔ لیکن ایک بات بتاؤ ذہن کے اندر سے جو انسانی ڈھانچے نکلے ہیں ان کی کیا توجیہہ کی جائے"

" اس کا جواب دینے کا میں بھی اتنا ہی اہل ہوں جتنے تم۔ لیکن قیاس سے ایک توجیہہ ذہن میں آتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کڈ نے — بشرطیکہ اسی نے یہ خزانہ دفن کیا ہو — مجھے خود تو یہی یقین ہے — یہ کام کچھ لوگوں کی مدد سے ہی کیا ہوگا

لیکن جب زیادہ تر کام ختم ہو چکا ہوگا۔ تو کڈ کے ذہن میں یہ آیا ہوگا کہ اس راز کے جاننے والے تمام لوگوں کو ختم کر دینا ہی مناسب ہے۔ میرے خیال میں گڑھے کے اندر کام کرتے ہوئے لوگوں کے لئے گڈال کے ایک دو وار کافی ثابت ہوئے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے۔ درجن بھر میں کام تمام ہوا ہو۔ بہر حال یہ میرا قیاس ہے۔ اصل حقیقت خدا ہی جانتا ہے۔"

کالی بلی

میں جو روداد اِس کاغذ پر قلم بند کرنے والا ہوں اس میں ہر چند کسی قسم کی پیچیدگی
نہیں ہے پھر بھی وہ آپ کو دیوانے کی بڑ معلوم ہوگی۔ میں اس پر یقین کرنے کی نہ آپ
سے توقع کروں گا نہ یہ کہوں گا کہ آپ ضرور اسے سچ مانئے۔ آپ مجھے دیوانہ تو سمجھیں گے
ہی کیوں کہ واقعہ ایسا ہے کہ خود میرے حواس میری شہادت کو جھٹلاتے ہیں۔ تاہم میں
یہ بتا دوں کہ میں پاگل ہرگز نہیں ہوں اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ میں خواب نہیں دیکھ
رہا۔ لیکن کل مجھے مرنا ہے اس لئے آج میں اپنی روح پر سے یہ بوجھ اتار پھینکنا چاہتا
ہوں۔ میرا اولیں مقصد اس وقت یہ ہے کہ واقعات کو راست راست بے کم و کاست
آپ کے سامنے رکھ دوں لیکن یہ واقعات سیدھے سادے ہونے کے باوجود میرے
حق میں بے پناہ دہشت اور عذاب کا سامان ثابت ہوئے ہیں اور انھوں نے مجھے
تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ پھر بھی میں ان کی تفصیل میں نہ جاؤنگا میرے لئے یہ واقعات

محض دہشت خیز ہیں لیکن بہت سے لوگوں کو وہ خوفناک کم معلوم ہوں گے اور مضحکہ خیز زیادہ ہو سکتا ہے آئندہ چل کر کوئی شخص میری داستان کو واہمے کی کرشمہ کاریوں کے بجائے معمولی واقعات قرار دے دے۔ ایسا شخص جس کی طبیعت میں میری نسبت زیادہ سکون ہو، اعتدال ہو اور جو مجھ سا جذباتی نہ ہو۔ وہ شخص ان حالات میں جن کو بیان کرتے ہوئے بھی میرا دل کانپتا ہے۔ قدرتی اسباب و نتائج کی باقاعدہ کڑیاں دریافت کرے گا۔

میں بچپن ہی سے بہت شرمیلا اور نیک مزاج مشہور تھا۔ میرا دل اتنا نرم واقع ہوا تھا کہ میرے ساتھی میرا مذاق اڑاتے تھے میں جانوروں سے خاص انس رکھتا تھا۔ اس لئے میرے والدین نے میرے لئے مختلف قسم کے بہت سے پالتو جانور فراہم کر دیئے تھے۔ میرا زیادہ تر وقت انہی کے ساتھ گزرتا تھا اور ان کو کھلانا پلانا اور پیار کرنا میرا محبوب مشغلہ تھا۔ میرا یہ شوق عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا اور بڑا ہونے پر بھی میری تفریح و دلچسپی کا ایک اہم موجب یہی رہا۔ جن لوگوں کو کبھی کسی وفادار اور سمجھدار کتے کو پالنے کا اتفاق ہوا ہے انھیں یہ بتانے کی حاجت نہیں کہ اس سے جو خط حاصل ہوتا ہے وہ کس قسم کا ہوتا ہے اور کتنا گہرا۔ حیوان کی محبت نہایت پر خلوص ہوتی ہے اور خود غرضی کے شائبے سے بالاتر۔ اس لئے ایسے شخص کے دل میں جسے انسان کی سست بنیاد دوستی اور وفاداری کا کافی تجربہ ہو حیوان کی محبت کا گھر کر جانا قدرتی ہے۔

میری شادی اوائل عمر ہی میں ہو گئی تھی۔ میری بیوی کا مزاج بھی مجھ سے مل گیا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر کہ مجھے پالتو جانور دل سے اس قدر محبت ہے اچھے

جانور میرے لئے فراہم کرتی رہتی تھی ہمارے پاس مختلف قسم کے پرندے تھے۔ سنہری مچھلیاں تھیں۔ ایک عمدہ کتا تھا، خرگوش تھے ایک چھوٹا سا بندر تھا اور ان کے علاوہ ایک بلی۔

یہ بلی بہت بڑے قد کی اور خوب صورت تھی۔ سرتاپا سیاہ اور اتنی ذہین کہ دیکھ کے حیرت ہوتی تھی۔ میری بیوی جو کسی قدر وہمی طبیعت کی مالک تھی، اکثر اس بلی کی ذہانت کو دیکھ کر لوگوں کے اس عقیدے کا ذکر کرتی تھی کہ کالی بلیاں اصل میں چڑیلیں ہوتی ہیں جو بھیس بدل لیتی ہیں۔ یہ بات نہیں کہ وہ سنجیدگی سے ایسا کہتی تھی۔ مجھے یہ بات اس وقت یاد آئی اس لئے سنا رہا ہے ذکر کر رہا ہوں۔

اس بلی کا نام پلوٹو تھا۔ مجھے اس سے بہت انسیت تھی اور میں اس سے کھیلا کرتا تھا۔ اس کو کھلاتا پلاتا بھی میں خود تھا۔ اور گھر کے اندر وہ میرے ساتھ سائے کی طرح لگی رہتی تھی۔ یا ہر جاتے ہوئے بھی اس سے میں بمشکل پیچھا چھڑاتا تھا۔

ہماری یہ مانوسیت کئی سال تک یونہی رہی لیکن اس دوران میں (مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے) میری طبیعت بہت چڑچڑی اور غصیلی ہوگئی تھی اب میں بالکل ہی بدل گیا تھا۔ ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہو جاتا تھا اور دوسروں کے جذبات سے بیکسر بے پروا۔ اپنی بیوی سے بھی میں درشت کلامی سے پیش آنے لگا تھا۔ بلکہ کبھی کبھی مار بھی بیٹھتا تھا۔ رفتہ رفتہ ان پالتو جانوروں کو بھی میری طبیعت کی اس تبدیلی کا احساس ہوگیا۔ میں نہ صرف ان سے بے اعتنائی برتتا تھا بلکہ بعض اوقات بدسلوکی سے بھی کام لیتا تھا۔ پلوٹو کا مجھے اب بھی اتنا خیال تھا کہ میں اس سے کسی قسم کی بدسلوکی نہ برتتا تھا۔ ورنہ خرگوش پا بندر زیادہ کتا اتفاقاً یا ازراہ محبت میرے راستے

میں آجاتے تھے تو میں ان سے بری طرح پیش آتا تھا لیکن میرا مرض بڑھتا ہی گیا۔ شراب نوشی سے بُرا مرض کیا ہو سکتا ہے۔ آخر کار بلّو ٹو بھی جواب بوڑھی ہو رہی تھی اور اسی وجہ سے تنک مزاج بھی۔ میری بدمزاجی کے اثرات سے محفوظ نہ رہی۔

ایک دن میں رات کو ایک جگہ سے شراب میں رہت گھر پہنچا تو بلّی کو دیکھ کر مجھے یہ خیال ہوا کہ وہ مجھ سے دور بھاگتی ہے۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور اس نے ڈر کر میرے ہاتھ پہ کاٹ کھایا جس سے خفیف سا زخم بھی آگیا۔ مجھ پر شیطان سوار ہو گیا اور میں اپنے آپے میں نہ رہا۔ معلوم ہوتا تھا کہ میری اپنی روح جسم سے رخصت ہو گئی ہے۔ میں نے اپنی واسکٹ کی جیب سے قلم تراش نکالا اسے کھولا اور اس بے بس حیوان کی ایک آنکھ نکال ڈالی۔ اب بھی جب کہ میں اس قابل نفرت جرم کی روداد رقم کر رہا ہوں اس تصور سے تو تھرا اٹھتا ہوں۔ اس فعل شنیع کو یاد کر کے مجھے بے پناہ ندامت محسوس ہوتی ہے۔

صبح کو میں سو کر اٹھا تو نشہ فرد ہو چکا تھا اور ہوش و حواس بجا ہو چکے تھے مجھے اپنے جرم کا خیال کر کے دہشت بھی محسوس ہوئی اور کراہیت بھی لیکن یہ احساس بہت کمزور اور مبہم سا تھا۔ کم از کم روح کی گہرائی تک نہ پہنچا تھا۔ میں پھر بوتل لے کر بیٹھ گیا اور اس جرم کے خوف و ندامت کو شراب کے نشے میں ڈبو دیا۔

بلّی کا زخم رفتہ رفتہ اچھا ہونے لگا۔ اس آنکھ کے خلا کو دیکھ کر وحشت ہوتی تھی۔ لیکن معلوم ہوتا تھا کہ درد ختم ہو چکا ہے۔ وہ گھر میں حسب معمول دوڑتی پھرتی تھی لیکن جیسا کہ آپ توقع کر سکتے ہیں۔ میرے سائے سے بھی بھاگ کھڑی ہوتی تھی میرے دل میں پہلے کی نرم دلی اس قدر باقی تھی کہ مجھے اس حیوان کو جو مجھ سے پہلے اس قدر محبت کرتا تھا اپنے سے یوں متنفر دیکھ کر افسوس ہوا۔ لیکن جلد ہی افسوس کی جگہ کبیدگی نے

سے لی۔ اور پھر تو ضد اور کج رائی نے مجھے دیوانہ ہی کر دیا ضد انسانی فطرت کے قدیم ترین جذبوں میں سے ہے۔ اسے ان بنیادی خصوصیات سے الگ نہیں کیا جا سکتا جن پر انسان کا کردار تعمیر ہوا ہے۔ ہم میں سے کون ہے جس سے ایک بار نہیں سو بار کوئی ایسا مکروہ یا احمقانہ فعل سرزد نہیں ہوا جس کی وجہ محض یہ احساس ہو کہ یہ نہیں کرنا چاہیئے۔ سب کچھ سوچتے سمجھتے ہوئے بھی ان ممنوعات کی خلاف ورزی کرنا جن کو قانون کا درجہ حاصل ہے، ہمارے فطری رجحانات میں شامل ہے بس اسی ضد نے مجھے عقل و ہوش سے بے گانہ کر دیا روح کی اسی ناقابل فہم تمنائے خود آزاری نے جو کسی جرم کا ارتکاب محض اس جرم کی لذت کی وجہ سے کرتی ہے مجھے مجبور کیا کہ میں اس معصوم حیوان پر اپنا ستم انتہا کو پہنچاؤں۔ ایک دن میں نے نہایت بے رحمی سے پھانسی کی رسی بلی کے گلے میں ڈال اسے ایک درخت کی شاخ سے لٹکا دیا۔ اس وقت میری آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ گیا تھا اور میرا دل سخت ملامت کر رہا تھا۔ میں نے اسے اس لئے پھانسی پہ لٹکا دیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ یہ مجھ سے محبت کرتی رہی ہے۔ محض اس لئے لٹکا دیا کہ میں محسوس کرتا تھا کہ اس نے مجھے کوئی گزند نہیں پہنچایا ——————

——— صرف اس لئے کہ مجھے معلوم تھا کہ میں اس طرح ایک ایسے خوفناک گناہ کا ارتکاب کروں گا جو میری غیر فانی روح کو اس درجہ ملعون کر دے گا کہ وہ (اگر یہ ممکن ہو) خداوند قہار و ارحم الراحمین کے بے پایاں عفو کی پہنچ سے بھی باہر ہو گی۔

جس دن کا یہ واقعہ ہے اس کی رات کو میں "آگ آگ" کی آوازیں سن کر نیند سے چونکا۔ میرے بستر کے پردوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ سارا گھر دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ میری بیوی، ایک خادم اور میں، ہم تینوں بڑی مشکل سے جان سلامت لے کر باہر نکلے۔

سب کچھ جل گیا۔ کچھ بھی تو باقی نہ بچا۔ میری ساری متاع دنیوی آگ کی نذر ہوگئی اور میرا دل ہر چیز سے بالکل اچاٹ ہوگیا۔

میں اتنا کمزور طبع نہیں کہ اس ظلم اور اس تباہی کے درمیان علت و معلول کا رشتہ قائم کروں لیکن واقعات کی کوئی معمولی سے معمولی کڑی بھی حذف نہیں کرنا چاہتا اس لیے اس قدر تفصیل سے کام لے رہا ہوں آگ کے دوسرے روز میں اپنے گھر کے خرابے کو دیکھنے گیا۔ ایک کے سوا سب دیواریں زمین بوس ہوگئی تھیں یہ دیوار ایک کمرے کی دیوار تھی جس کا دل زیادہ موٹا نہ تھا یہ مکان کے تقریباً وسط میں واقع تھی اور میرے پلنگ کا سرہانہ اس کے ساتھ پڑتا تھا۔ یہاں پلستر نے بڑی حد تک آگ کے اثر کو روکے رکھا تھا۔ اس کی وجہ میرے خیال میں یہ تھی کہ وہ پلستر نیا نیا ہوا تھا۔ اس دیوار کے گرد لوگوں کا ایک بڑا ہجوم ہو رہا تھا اور وہ لوگ اس دیوار کے ایک خاص حصے کو نہایت انہماک اور توجہ سے دیکھ رہے تھے۔ ان لوگوں کے منہ سے "تعجب" "حیرت ہے" وغیرہ الفاظ سن کر مجھے بھی حقیقت حال کی جستجو ہوئی۔ میں نے قریب جا کر دیکھا کہ دیوار کی سفید سطح پر ایک بہت بڑی بلی کی شکل بنی ہوئی ہے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دیوار میں نقوش کھود کر ابھار کر بنا دی گئی ہو۔ یہ نقش ایسا سچا اور مطابق اصل تھا کہ واقعی حیرت ہوتی تھی۔ بلی کے گلے کے گرد رسی بھی تھی۔

جب میں نے اس خیالی تصویر پر (میں اسے اس کے علاوہ کیا تصور کر سکتا تھا) پہلی نظر ڈالی تو میری حیرانی اور خوف و دہشت کی انتہا نہ رہی لیکن بالآخر میں نے سوچ کر اس کی توجیہہ کر لی مجھے یاد آیا کہ بلی گھر کے ساتھ کے باغیچے میں لٹکی ہوئی تھی۔ آگ لگنے کا شور ہوا تو فوراً یہ باغیچہ لوگوں سے بھر گیا۔ کسی شخص نے بلی کے گلے کی رسی کاٹ

دی اور اسے کھلی کھڑکی میں سے میرے کمرے میں پھینک دیا۔ اس کا مقصد غالباً مجھے نیند سے جگانا تھا، دوسری دیواروں نے گر کر میرے ظلم کے اس شکار کو تازہ پلستر میں دھنسا دیا۔ پلستر کے چونے نے آگ اور بلی کی لاش کے امونیا کے ساتھ مل کر وہ تصویر نقش کر دی تھی۔

اس استدلال سے میں نے اپنے دماغ کو مطمئن کر لیا۔ لیکن ضمیر کو نہ کر سکا۔ اس نے میرے ذہن پر بہت گہرا اثر چھوڑا۔ کئی مہینے تک میں بلّی کے بھوت سے پیچھا نہ چھڑا سکا اور دوران میں میرے دل میں ایک ایسا مبہم سا جذبہ پرورش پاتا رہا جو ندامت اور پشیمانی سے مشابہ تھا۔ حتیٰ کہ مجھے اس حیوان کی موت کا افسوس سا ہونے لگا اور سیہ کاری کے جن اڈوں میں میری روز کی آمد و رفت تھی ان میں میں ایسی بلّی کی تلاش میں رہتا جو اسی نسل کی ہو اور شکل میں بھی اس سے کچھ ملتی ہو تاکہ اس پہلی بلّی کی جگہ لے سکے۔

ایک رات میں ایک انتہائی بدنام شراب خانے میں نشے میں نیم مست بیٹھا تھا کہ میری نظر یکایک ایک سیاہ فام چیز پر پڑی جو شراب کے ایک بہت بڑے پیپے کے اوپر بیٹھی تھی۔ میں اس پیپے پر کئی منٹ سے نظریں جمائے بیٹھا تھا مجھے اس بات پر بڑی حیرت ہوئی کہ قبل ازاں میں نے اس چیز کو وہاں نہ دیکھا تھا۔ میں اس کے قریب پہنچا اور اس پر ہاتھ پھیرا۔ یہ ایک کالی بلّی تھی۔ بہت بڑی۔ اتنی بڑی جتنی پلوٹو تھی۔ یوں بھی وہ اس سے ہر طرح مشابہ تھی ہاں ایک فرق تھا۔ پلوٹو کے جسم کے کسی حصّے پر کوئی سفید بال نہ تھا لیکن اس بلّی کی کھال پر ایک بڑا سا سفید داغ تھا۔ بے معنی سایہ داغ قریب قریب اس کی ساری چھاتی پر پھیلا ہوا تھا۔

میرے تھپکی دینے پر وہ بلی اٹھ کھڑی ہوئی اور زور سے خرخر کرتی ہوئی میرے ہاتھ کے ساتھ اپنا جسم گھسنے لگی۔ وہ میرے لاڈ پیار سے خوش معلوم ہوتی تھی۔ مجھے بھی تو بس اس قسم کے جانور کی تلاش تھی۔ میں نے شراب خانے کے مالک سے کہا کہ میں اسے خریدنا چاہتا ہوں لیکن اس شخص نے کہا کہ یہ میری بلی نہیں ہے۔ مجھے اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ بلکہ میں نے اسے اس سے قبل دیکھا بھی نہیں۔

میں اس سے پیار کرتا رہا اور جب گھر واپس لانے کے لئے اٹھا تو وہ بھی ساتھ چلنے کو تیار ہو گئی۔ میں نے بھی اس میں مضائقہ نہ سمجھا بلکہ راستے میں کبھی کبھی جھک کے اس کی پیٹھ کو تھپک دیتا تھا۔ گھر پہنچ کر یہ فوراً مل گئی اور میری بیوی تو اسے بہت چاہنے لگی۔

البتہ مجھے جلد ہی اس سے کچھ نفرت سی پیدا ہونے لگی۔ یہ بات میری توقع کے برعکس تھی۔ مجھے وجہ معلوم نہیں لیکن ہوا یہ کہ اس کے لاڈ پیار پہ میرا مزاج خوش ہونے کے بجائے بیزار اور برہم ہو جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ بیزاری اور برہمی نفرت کی تلخی میں بدل گئی۔ اب میں اس بلی سے دور دور رہنے لگا۔ مجھے اپنے پہلے ظالمانہ فعل کو یاد کر کے ندامت کا جو احساس ہوتا تھا اس کی وجہ سے میں اس پر ہاتھ نہ اٹھاتا تھا۔ کئی ہفتے تک میں اسے مارنے پیٹنے یا کسی اور طرح سے جسمانی گزند پہنچانے سے محترز رہا۔ لیکن رفتہ رفتہ مجھے اس سے ناقابلِ بیان نفرت پیدا ہوتی گئی اور میں اس کے سائے سے بھی بھاگنے لگا۔ جیسے کوئی وبا کے خوف سے بھاگتا ہے۔

اس حیوان سے میری نفرت کی ایک وجہ بلاشبہ یہ تھی کہ جس رات میں اسے گھر لایا اس سے اگلی ہی صبح دیکھا کہ اس کی بھی ایک آنکھ پلوٹو کی طرح غائب ہے۔

ادھر اس بات نے اس بلی کو میری بیوی کی نظر میں اور محبوب بنا دیا جس میں ہمدردی اور ترحم کا وہ جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا جو کبھی میری طبیعت کا بھی جزو تھا اور بہت سی معصوم اور بے لوث مسرتوں کا موجب۔

عجیب بات یہ ہے کہ جوں جوں مجھے اس بلی سے نفرت ہوتی جاتی تھی توں توں وہ مجھ سے زیادہ انس برتنے لگی۔ وہ یوں میرے ساتھ لگی لگی رہتی تھی کہ میں آپ سے بیان نہیں کر سکتا۔ اگر میں کہیں بیٹھتا تھا تو وہ کرسی کے نیچے سمٹ کے بیٹھ جاتی تھی یا اچھل کر میرے گھٹنوں پر آ ٹکتی تھی اور اس طرح چپسنے لگتی تھی کہ طبیعت کو کراہیت محسوس ہوتی تھی۔ اگر میں اٹھ کے کہیں جاتا تو میرے قدموں سے لپٹ جاتی حتیٰ کہ میں گرتے گرتے بچتا یا پھر اپنے لمبے اور تیکھے ناخن میرے کپڑوں میں گاڑتی ہوئی میرے سینے پر آ چڑھتی تھی۔ ایسے موقعوں پر اگرچہ میرا جی تو یہی چاہتا تھا کہ ایک گھونسے میں اس کی جان نکال دوں لیکن پھر ہاتھ روک لیتا تھا۔ اس کی کچھ وجہ تو یہ تھی کہ مجھے وہ پہلا جرم یاد آ جاتا تھا لیکن اصل سبب کچھ اور تھا۔ مجھے فوراً اس کا اعتراف کر لینا چاہیئے — میں اس حیوان سے بے حد خائف تھا۔

یہ خوف کسی مادی یا جسمانی بدی کا خوف نہ تھا۔ تاہم میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اس کے علاوہ کیا تھا۔ مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے (وہاں اس پھانسی کی کوٹھڑی میں بھی) کہ اس حیوان کو دیکھ کر جو دہشت مجھ پر طاری ہوتی تھی وہ ایک نہایت معمولی وہم نے بڑھا دی تھی۔ میری بیوی نے کئی بار مجھے اس بات کی طرف توجہ دلائی تھی کہ بلی کی چھاتی کے سفید داغ کی شکل عجیب سی ہے۔ اس بلی اور اُس بلی کے درمیان جس کی جان میں لے چکا تھا بس اسی داغ کا فرق تھا اور قارئین کو یاد ہوگا۔

کہ یہ داغ اگرچہ کافی بڑا تھا لیکن پہلے اس کی کوئی متعین شکل نہ تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ یوں آہستہ آہستہ کہ میری عقل اسے ماننے کو تیار نہ ہوتی تھی اس داغ کے خطوط واضح ہوتے گئے اور ایک ایسی چیز کا روپ انھوں نے دھارا جس کا نام لیتے ہوئے بھی میں خوف سے کانپ جاتا ہوں۔ اسے دیکھ کر ایسا خوف و اشکراہ میرے دل میں پیدا ہوتا تھا کہ اگر مجھ میں ہمت ہوتی تو میں اسی وجہ سے اس ملعون جانور کا کام تمام کر دیتا اب یہ داغ ایک بھیانک چیز۔ پھانسی کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ پھانسی جو دہشت اور جرم، کرب اور موت کا الم انگیز اور خوفناک نشان ہے۔

میری بدبختی اس انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ کوئی انسان کبھی کسی سے اتنا لاچار ہوا ہوگا میں وہ انسان ہو کر بھی جس کے لئے کہا گیا ہے کہ وہ خالق حقیقی کے نمونے پر ڈھالا گیا تھا۔ ایک وحشی حیوان کے ہاتھوں ایسا زچ ہو گیا تھا کہ دن کو چین نصیب تھا نہ رات کو آرام۔ دن کو تو یہ بدبخت بلی ایک لمحے کے لئے مجھ سے جدا نہ ہوتی تھی اور رات کو میں ناقابلِ بیان خوف و دہشت کے مارے بار بار چونک اٹھتا تھا اور اٹھتے پر اس شے ملعون کا گرم تنفس اپنے چہرے پر اور اس کا پہاڑ سا بوجھ اپنے دل پر محسوس کرتا۔ یہ ایک ایسا کابوس تھا جو چوبیس گھنٹے میری چھاتی پر سوار رہتا تھا۔

ان اذیتوں کے بوجھ تلے میری فطرت کی رہی سہی نیکی بھی کچلی گئی۔ اور اب میں تھا یا میرے منحوس اور دہشت ناک خیالات۔ میرے مزاج کی سنک اب ساری دنیا اور ساری انسانیت کی نفرت میں بدل گئی اور بات بات پر غصے سے یکایک پاگل ہو جاتا تھا یہ غصہ میں عموماً اپنی بیوی پر اتارتا تھا لیکن وہ خدا کی بندی کبھی

زبان سے اُف نہ کرتی تھی۔

مفلسی سے مجبور ہو کر ہم ایک بوسیدہ مکان کرائے پر لے کر رہنے لگے تھے۔ ایک دن میری بیوی گھر کے کسی کام سے میرے ساتھ عمارت کے تہ خانے میں گئی تہ خانے میں داخل ہونے کی سیڑھیاں چوڑی کم تھیں اور گہری زیادہ۔ میں ان سے اترنے لگا تو بلی بھی بھاگ کے آگئی اور میں اس سے الجھ کر زمین پر سر کے بل گرتے گرتے بچا۔ مجھے طیش آگیا اور کسی بات کی سدھ بدھ نہ رہی۔ میں اپنا وہ بیگانہ خوف بھول گیا جس کے باعث میں نے اب تک ہاتھ نہ اٹھایا تھا۔ اب ایک کلہاڑا اٹھ اس حیوان پہ وار کر دیا۔ اگر وہ وار اس پہ پڑ جاتا تو یقیناً وہ بلی وہیں ڈھیر ہو جاتی لیکن میری بیوی نے میرا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا۔ اس کی مداخلت نے میرے غصے کی جلتی آگ پر تیل کا کام کیا اور میں نے اپنا ہاتھ چھڑا کر کلہاڑا اس کے سر پہ دے مارا وہ اس کے بھیجے میں گھس گیا۔ اس کے منہ سے آہ تک نہ نکلی۔ اور وہ وہیں گر کر ٹھنڈی ہو گئی۔

یہ خوفناک خون کرنے کے بعد مجھے لاش کو چھپانے کی فکر ہوئی۔ میں ہمسایوں کے خوف سے نہ دن میں اسے گھر سے باہر لے جا سکتا تھا نہ رات کو۔ میرے ذہن میں لاش کو ٹھکانے لگانے کی کئی تجویزیں آئیں پہلے تو یہ خیال آیا کہ اسے قیمہ قیمہ کر کے آگ میں جلا دوں۔ پھر یہ سوچا کہ تہ خانے کے فرش میں قبر کھود کر اسے دبا دوں۔ پھر اسے احاطے کے کنوئیں میں ڈال دینے کی سوچنے لگا کبھی خیال آتا کہ اسے مال کی طرح کسی صندوق میں بند کر دوں اور قلی بلوا کر باہر بھجوا دوں۔ آخر مجھے ایک ایسی تجویز سوجھ گئی جو ان سب منصوبوں سے بہتر تھی۔ میں نے اسے تہ خانے کی دیوار

میں دفن کر دینے کا فیصلہ کیا۔ قرونِ وسطیٰ کے راہب اپنے معتقدین کا یہی حشر کیا کرتے تھے۔

اس کام کے لئے وہ تہ خانہ بہت موزوں تھا۔ اس کی دیواروں کی چنائی ڈھیلی ڈھالی تھی۔ اور ان پر موٹا سا پلستر ہو رہا تھا۔ اس پلستر کو ہوئے بہت دن نہ ہوئے تھے اور تہ خانے کی نمی کی وجہ سے وہ سوکھ کر سخت نہ ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ایک مصنوعی چمنی یا انگیٹھی کی وجہ سے ایک دیوار میں ایک ابھار سا نکلا ہوا تھا۔ اسے اینٹوں اور گارے سے باقی دیوار کے برابر کر دیا گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں بڑی آسانی سے یہاں سے اینٹیں ہٹا سکتا ہوں اور لاش کو اس میں بند کر کے پہلے کی طرح انھیں چن سکتا ہوں۔ کسی کو کبھی کسی قسم کا شبہ پیدا نہ ہوگا۔

میرا یہ قیاس غلط نہ تھا۔ میں نے ایک سیل کی مدد سے بآسانی وہ اینٹیں اکھیڑ ڈالیں اور اندرونی دیوار کے ساتھ لاش کو ٹکا کر اوپر سے پہلے کی طرح تیغہ کر دیا۔ میں نے گارا چونا فراہم کر کے اس طرح کا پلستر بنا لیا جسے پہلے پلستر سے کسی طرح متمیز نہ کیا جا سکتا تھا۔ اس سے میں نے نہایت احتیاط سے نئی دیوار کو پوت دیا یہ کام ختم کر کے میں مطمئن ہو گیا۔ قطعاً معلوم نہ ہوتا تھا کہ دیوار کو کسی نے چھیڑا بھی ہے۔ فرش پر سے میں نے کنکر مٹی ہٹا دی اور صفائی کر کے احساس کامرانی سے گرد و پیش نظر ڈالی اور اپنے دل سے کہا۔ "آخر میری محنت اکارت نہیں گئی۔" اب میں نے اس حیوان کو تلاش کیا جو ساری خرابی کی جڑ تھا۔ اب میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اسے بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اگر وہ مجھے اس وقت مل جاتی تو یہی ہوتا لیکن معلوم ہوتا تھا کہ وہ عیار بلی خائف ہو کر کہیں بھاگ گئی ہے تاکہ کہیں وہ بھی میرے

غصّے کا شکار نہ ہو جائے۔ اس ملعون جانور کو غائب دیکھ کر میرے دل کو جس قدر خوشی اور اطمینان ہوا اسے میں بیان نہیں کر سکتا۔ رات کو بھی وہ کہیں نظر نہ آئی اور اس بلّی کے گھر میں آنے کے بعد سے وہ پہلی رات تھی جب میں آرام کی گہری نیند سویا۔ ہاں واقعی سویا حالانکہ میری روح پہ قتل کا اتنا بڑا بوجھ تھا۔

دوسرا دن گزرا اور تیسرا بھی گزر گیا۔ اس بلّی کی شکل دکھائی نہ دی جس نے مجھے اتنی اذیت دی تھی۔ اب پھر میں آزادی کی سانس لے سکتا تھا۔ وہ ملعون جانور ڈر کر ہمیشہ کے لئے اس گھر سے بھاگ گیا تھا۔ اب وہ میری نظروں سے دُور تھا۔ میری خوشی کی انتہا نہ تھی۔ اپنے گناہ کا احساس بھی میرے دل میں کوئی خلش پیدا نہ ہوتا تھا۔ تھوڑی بہت پوچھ گچھ ہوئی تھی لیکن میرے پاس سب سوالوں کے جواب تیار تھے۔ ایک بار تلاشی بھی ہوئی لیکن وہاں کسی کو کیا مل سکتا تھا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اب میں سکون کی زندگی بسر کر سکوں گا۔

قتل کے چوتھے روز پولیس کا ایک دستہ بالکل غیر متوقع طور پر پھر گھر میں آیا اور عمارت کے کونے کونے کی پھر تلاشی لینی شروع کی تاہم میں نے کوئی پریشانی محسوس نہ کی کیونکہ میں جانتا تھا کہ لاش میں نے ایسی جگہ چھپائی ہے کہ کسی کو خبر نہیں ہو سکتی۔ پولیس والوں نے مجھے ساتھ رہ کر تلاشی کرانے کو کہا انھوں نے ہر کونے کھدرے کو خوب اچھی طرح دیکھا، آخر تیسری یا چوتھی بار پھر تہ خانے میں اترے مجھے ذرہ بھر تشویش نہ ہوئی۔ میرا دل اس طرح سکون سے دھڑک رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ جیسے کوئی معصومیت کی بے فکر نیند سوتا ہے میں ہاتھ چھاتی پر باندھے تہ خانے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتا رہا۔ پولیس والوں کا کُلّی اطمینان ہو گیا

اور انھوں نے رخصت ہونے کی تیاری کی۔ میرے دل میں مسرت کا جوش ایسا تھا کہ میں ضبط نہ کر پایا۔ میں اپنے احساس فتح مندی کے تحت کچھ نہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ خواہ وہ ایک ہی لفظ کیوں نہ ہو۔ اس طرح میں اپنی بے گناہی کے متعلق ان کے یقین کو اور راسخ کر دینا چاہتا تھا۔

جب وہ لوگ سیڑھیاں چڑھ کے اوپر جانے لگے تو میں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ حضرات بڑی خوشی کی بات ہے کہ میں نے آپ کے شبہات کا ازالہ کر دیا ہے اور ہاں۔ دیکھئے یہ عمارت بہت عمدہ بنی ہوئی ہے (کچھ نہ کچھ کہنے کے اضطراب میں میں خود نہ جانتا تھا کہ کیا کہے جا رہا ہوں) میں کہتا ہوں نہایت ہی عمدہ ہے اس کی تعمیر اور دیواریں کتنی ٹھوس ہیں۔ یہ کہتے ہوئے شیخی میں آکر میں نے دیوار کو عین اس مقام پر چھڑی سے زور کا ایک ٹھوکا دیا جس کے پیچھے میری بیوی کی لاش مدفون تھی۔

لیکن خدا مجھے شیطان کے شر سے پناہ میں رکھے۔ ابھی اس ٹھوکے کی آواز فضا میں گم نہ ہوئی تھی کہ اس دیواری مقبرے میں سے ایک آواز آئی۔ یہ ایک چیخ کی سی آواز تھی۔ اوّل اوّل مدھم اور شکستہ۔ جیسے کسی بچے کے سسکیاں لینے کی آواز ہو۔ اس کے بعد تیزی سے یہ ایک طویل بلند اور مسلسل چلاّہٹ میں بدل گئی یہ ایک غیر معمولی اور غیر انسانی قسم کی چیخ تھی جیسے کوئی بَین کر رہا ہو۔ اس چیخ سے دہشت بھی نمایاں تھی اور احساس فتح مندی بھی۔ ایسی آواز دوزخ ہی سے بلند ہو سکتی ہے جب کہ راندگان جہنم کی کرب آمیز کراہوں کے ساتھ عذاب دینے والے عفریتوں کے تشفی کے نعرے بھی شامل ہو جائیں۔ میری اس وقت کی وحشت محتاج بیان نہیں۔ میں چکرا کر سامنے کی دیوار کے ساتھ جا گرا۔ ایک لمحے کے لئے پولیس کے آدمی

دہشت اور خوف سے سُن ہو کر سیڑھیوں پر کھڑے کے کھڑے رہ گئے لیکن اگلے ہی لمحے کوئی ایک درجن مضبوط بازو اس دیوار پہ پل پڑے اور وہ دھڑام سے آ رہی ملاش جو کافی حد تک سڑ چکی تھی اور خون سے لتھڑی ہوئی تھی دیکھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے سر پہ اپنا لال منھ اور تپتی آتشیں آنکھ کھولے وہ ملعون جانور — وہ کالی بلّی بیٹھی تھی جس کی آواز نے مخبری کر کے مجھے پھانسی کے حوالے کر دیا ہے۔ میں نے بیوی کے ساتھ بدنفس حیوان کو بھی اس دیواری مقبرے میں بند کر دیا تھا

گردابِ فنا کی آغوش میں

اب ہم سب سے اونچی چٹان چوٹی پہ پہنچ گئے تھے۔ بڑے میاں تھکن سے اتنے نڈھال ہو گئے تھے کہ چند منٹ تک ان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکلا۔

جب کچھ دم میں دم آیا تو انہوں نے کہنا شروع کیا۔ "میں بہت دن پہلے کی بات نہیں کر رہا۔ ان دنوں میں کیا میرا سب سے چھوٹا بچہ بھی اس راستے پر آپ کی رہنمائی کر سکتا تھا لیکن کوئی تین سال پہلے مجھے ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ اس سے پہلے کسی انسان کو پیش نہ آیا ہو گا یا اگر آیا ہو گا تو وہ اس کی داستان بیان کرنے کے لئے زندہ نہ رہا ہو گا۔ اور اس وقت مجھ پہ خوف و دہشت کے جو چھ گھنٹے گزرے انہوں نے میرے جسم و جاں کی سکت چھین لی ہے۔ آپ مجھے بہت معمر آدمی سمجھتے ہوں گے حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ میرے ان بالوں کو جو خوب سیاہ تھے سفید ہونے میں

اور میرے اعضاء و اعصاب کے یوں ضعیف ہو جانے میں ایک دن بھی نہ لگا۔ اب تو میں ذرا سے کام سے ہانپنے لگتا ہوں اور ایک سایہ بھی میری گھگی بندھانے کے لئے کافی ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس چھوٹی سی چٹان کے ادھر دیکھنے کی مجھ میں تاب نہیں۔ میرا سر گھوم جاتا ہے۔

وہ "چھوٹی سی چٹان" جس کے سرے پر وہ اس طرح بے احتیاطی سے اپنا جسم باہر نکالے جھکا ہوا تھا کہ جسم کا سب سے وزنی حصہ خلا میں معلق ہو گیا تھا اور وہ خود محض اسی لئے گرنے سے بچا ہوا تھا کہ اس نے چٹان کے انتہائی سرے پر جو پھسلواں بھی تھا اپنی کہنیاں ٹکا رکھی تھیں ـــــ وہ چھوٹی سی چٹان سیاہ چمکیلے پتھر کی ایک بڑی چٹان تھی۔ نیچے کی گھاٹیوں سے کوئی پندرہ سولہ فٹ بلند۔ میں تو کسی قیمت پر بھی اس کے کنارے سے پانچ چھ گز ادھر کے حلقے میں بھی جانا پسند نہ کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس شخص کو اس خطرناک انداز سے وہاں لٹکا دیکھ کر مجھ پر کچھ ایسا خوف سا طاری ہوا کہ میں زمین پر لمبا پڑ گیا۔ اردگرد کی جھاڑیوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اوپر آسمان کی طرف بھی نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ میں نے ذہن کو اس خیال سے آزاد کرنے کی ناکام کوشش کی کہ جھکڑ کی تیزی سے خود چٹان کی بنیادیں تک خطرے میں ہیں۔ مجھے اپنے کو سنبھالنے میں کافی وقت لگا۔ بڑی دیر کے تامل کے بعد اتنی ہمت ہوئی کہ اٹھ کر سیدھا بیٹھ سکوں اور دور تک نظر دوڑا سکوں۔

"آپ اپنے دل سے یہ تمام وہم اور خدشات نکال دیجئے" بڈھے گائیڈ نے کہا۔ "کیونکہ میں آپ کو اس لئے یہاں لایا ہوں کہ میں نے جس واقعے کا آپ سے ذکر کیا ہے آپ اس کی جائے وقوع بھی دیکھ لیں اور میں ایسے عالم میں آپ سے ساری

داستان بیان کر سکوں کہ موقع داستان بھی آپ کی نظر کے سامنے ہو"

گائیڈ نے اپنے مخصوص انداز میں کہنا شروع کیا۔" اب ہم ناروے کے ساحل کے بالکل قریب ہیں — ۶۸ درجے عرض بلد پر یہ نارڈ لینڈ کا صوبہ ہے اور لوفوڈن کا ضلع۔ ہم جس پہاڑی کی چوٹی پہ بیٹھے ہیں۔ اس کا نام ہے ہلسگن یعنی ایر آلود۔ اب اپنا سر ذرا اور اوپر اٹھایئے۔ اگر آپ کو گھبراہٹ محسوس ہوتی ہے تو گھاس کو مضبوطی سے پکڑے رہئے۔ ہاں اس طرح۔ اور اب اس لہر کی پٹی کو چھوڑ کر جو ہمارے نیچے ہے۔ بڑے سمندر کے بیچوں بیچ دیکھئے۔

میں نے ادھر دیکھا۔ دور تک سمندر کی پہنائی پھیلی ہوئی تھی اور پانی کا رنگ سیاہی کی سی رنگت کا تھا۔ انسان کے حلقۂ خیال میں اتنا بے رنگ اور ویران منظر کبھی نہیں آسکتا دہنے بائیں جہاں تک نظر جاتی تھی، فصیلوں کی طرح، سیاہ اور آگے کو نکلی ہوئی خوفناک چٹانوں کے سلسلے نظر آتے تھے۔ یہ ویرانی ان موجوں کے پس منظر میں اور نمایاں ہو رہی تھی جو برابر کف اڑاتی چیختی اور شور مچاتی ان چٹانوں سے سر پٹخ رہی تھیں۔ ہم جس راس زمین کی نوک پہ اس وقت بیٹھے تھے اس کے عین یا المقابل اور سمندر کے کوئی پانچ چھ میل اندر ایک چھوٹا تاریک سا ٹاپو نظر آرہا تھا۔ نظر کیا آرہا تھا موجوں بے پایاں پہنائی میں محصور ایک نقطہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ کوئی دو میل ادھر خشکی کی طرف ایک جزیرہ اس سے بھی چھوٹا دکھائی دے رہا تھا۔ یہ بھی چٹانوں کا مجموعہ اور بنجر۔ اس کے ہر چہار طرف بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سیاہ چٹانیں سر اٹھائے ہوئے تھیں۔

اس دور تر جزیرے اور ساحل کے درمیان سمندر کی کیفیت بہت عجیب اور غیر معمولی سی تھی۔ اگرچہ اس وقت ہوا جس کا رخ خشکی کی طرف تھا اتنے زوروں

کی چل رہی تھی کہ ایک مستول دو بادبانوں والی کشتی کا جو دُور محاذ ساحل پر دکھائی دے رہی تھی سارا جسم نظر سے اوجھل ہو جاتا تھا تاہم باقاعدہ مدکا عالم بھی نہ تھا۔ بلکہ خشگیں موجیں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر ہر سمت رواں دواں تھیں۔ ہوا کے رُخ بھی اور اس کے بالمقابل بھی۔ جھاگ چٹانوں کے بالکل آس پاس تو ضرور تھی لیکن اس سے آگے نہیں۔"

اس جزیرے کو نارڈے کے لوگ ورّغ کا نام دیتے ہیں۔ یہ بیچ کا ٹاپو موسکو سے وہ میل بھر شمال کی طرف واقع ہے۔ اس سے پرے افلیتن ہوٹی ہام بام لیکڈ ہام سوارون اور ریک ہام۔ اس سے بھی پرے موسکو اور ورّغ کے درمیان اوٹر ہام فلمن، سینڈ فلیس اور سکار ہام ہیں۔ یہ ان مقامات کے واقعی نام ہیں لیکن مقامات کے نام رکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی یہ میری آپ کی سمجھ سے باہر کی باتیں ہیں کیا آپ کچھ سمجھ رہے ہیں۔ کیا آپ کو پانی میں کوئی تبدیلی نظر آ رہی ہے۔

ہمیں ہلسگن کی چوٹی پر ٹنگے کوئی دس منٹ ہو گئے تھے ہم اس پہاڑ دن لوفوٹن کی طرف سے چڑھے تھے اس وجہ سے سمندر اس وقت تک ہماری نظروں سے اوجھل رہا جب تک ہم چوٹی پر نہ پہنچ گئے۔ وہاں سے یکایک اس کا پورا منظر ہمارے سامنے آگیا۔ بوڑھے کی باتوں کے دوران میں ایک بلند شور میرے کانوں میں پڑا جو لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جا رہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی مرغزار میں بھینسوں کا کوئی بہت بڑا گلہ ڈکرا رہا ہو۔ اس لمحے مجھے اپنے نیچے سمندر کی وہ کیفیت نظر آئی جسے جہازی طوفانی کیفیت کہتے ہیں۔ سمندر بڑی تیزی سے ایک لہ کا روپ دھار رہا تھا جس کا رخ مشرق کی جانب تھا۔ میرے دیکھتے دیکھتے اس رو کی رفتار نہایت مہیب ہو گئی۔ لحظہ بہ لحظہ اس

کی جولانی اور اس کا زور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ پانچ منٹ میں سارا سمندر دور تک بے پناہ تلاطم کا ایک سلسلہ بن گیا لیکن اس کے جوش و غضب کی انتہا موسکو اور ساحل کے درمیانی دھارے میں تھی۔ یہاں سمندر کی وسیع پہنائی ہزارہا لہریے بناتی ہوئی یکایک ایک گرجتا گونجتا گرداب بن جاتی تھی۔ تھاٹھیں مارتی ہوئی لہریں عجیب شور پیدا کر رہی تھیں اور ان سے لاتعداد جھاگ کی قسم کے بھنور پیدا ہو رہے تھے اور پھر یہ لہروں کے عفریت چکر کھاتے دھوم مچاتے مشرق کی طرف اتنی تیز رفتاری سے رواں تھے جو کبھی ڈھلان سے گرتے ہوئے آبشار کے علاوہ پانی میں کہیں پیدا نہیں ہوتی

چند منٹ بعد ایک اور بڑی تبدیلی دیکھنے میں آئی۔ پانی کی سطح پہلے کے مقابلے میں کچھ ہموار ہو گئی اور بھنور ایک ایک کر کے مٹتے گئے۔ جہاں پہلے جھاگ کا نام نہ تھا اب وہاں جھاگ کی بہت بڑی بڑی دھاریاں نمودار ہو گئیں۔ یہ دھاریاں پھیل کر بڑی دور تک پھیلتی چلی گئیں اور باہم مل کر بھنور کی صورت میں چکر کھانے لگیں اور اب ایک وسیع تر بھنور کی شکل اختیار کرتی معلوم ہوتی تھیں یکایک اس ایک خط میں وہ قطعی صورت اختیار کر کے ایک دائرے کی صورت میں متشکل ہو گئیں جس کا قطر آدھ میل سے زیادہ ہو گا۔ اس گرداب عظیم کا حاشیہ چمک دار کف کا ایک قطرہ بھی اس ہولناک محیط کے اندر نہ تھا۔ محیط کا یہ اندرونی حصہ جہاں تک نگاہ جاتی تھی پانی کی ایک ہموار چمکتی ہوئی گہری سیاہ چادر بنا ہوا تھا۔ جو افق کے ساتھ کوئی پینتالیس درجے کا زاویہ بناتے ہوا جھکا ہوا تھا۔ یہ پانی حیرت انگیز رفتار سے چکر کاٹ رہا تھا اور اس سے ایک خوفناک گونج پیدا ہو رہی تھی۔ اس گونج میں ایسے شور اور ایسی گرج کا امتزاج تھا کہ نیاگرا کی آبشار عظیم سے بھی نہ پیدا ہوتا ہو گا۔

اب چٹان کی بنیاد بیں تک لرز رہی تھی اور وہ چٹان بھی ڈول اور ڈگمگا رہی تھی
میں اوندھا فرش پہ لیٹ گیا۔ جو تھوڑی بہت گھاس اور روئیدگی نظر آئی خوف
اور دہشت کے مارے اس کو مضبوطی سے گرفت میں لے لیا۔

آخر میں نے بڑے میاں سے مخاطب ہو کر کہا یہ "ماٹل سٹروم" کا مہابھنور
معلوم ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا"

"ہاں سے ماٹل سٹروم بھی کہتے ہیں ہم ناروے کے لوگ اسے موسکو سٹروم کہتے ہیں اس
درمیانی جزیرے موسکو کی نسبت سے ۔۔۔۔۔۔۔۔

اس بھنور کا جو حال میں نے سنا یا پڑھا وہ اس نظارے کی صحیح تصویر کسی
صورت پیش نہ کرتا تھا۔ اس کا سب سے اچھا اور ذاتی تجربے پہ مبنی احوال غالباً
جو ناس ریمس ہی کا لکھا ہوا ہے لیکن وہ اس نظارے کی ہیبت اور ہولناکی اور
اس کے تماشائی کی بیاباں حیرت کی صحیح عکاسی نہیں کر پایا مجھے معلوم نہیں
کہ اس مصنف نے اس کو کس مقام سے اور کس وقت دیکھا لیکن یہ طے ہے۔
کہ اس نے اسے ہلسیگن کی چوٹی سے نہیں دیکھا اور طوفان کے عالم میں نہیں دیکھا۔
اس کے بیان کے بعض حصے ضرور تفصیل کے طور پہ نقل کئے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ
اس منظر کی صحیح تصویر پیش کرنے سے وہ بُری طرح قاصر ہیں۔

وہ لکھتا ہے "لوفوٹن اور موسکو کے درمیان پانی کی گہرائی چھتیس سے
چالیس قید م تک ہے۔ لیکن دوسری جانب وردوسغ کے رخ اتنی کم ہے کہ کوئی
جہاز چٹانوں سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا خطرہ مول لئے بغیر آسانی سے وہاں
نہیں گزر سکتا اور یہ وہاں ایسے عالم میں بھی ہوتا ہے جب کہ ہوا یا طوفان کا

نام تک نہ ہو۔ طوفان کے دوران میں پانی زیر دست رفتار کے ساتھ بوفوڑن اور موسکو کے درمیان دوڑتا نظر آتا ہے۔ لیکن جب یہ تیزی سے شور مچاتا ہوا سمندر کی طرف لوٹتا ہے تو ایسی گرج پیدا ہوتی ہے کہ کسی بڑے سے بڑا اور خوفناک سے خوفناک آبشار سے بھی پیدا نہ ہوتی ہوگی۔ یہ آواز کئی کوس تک سنائی دیتی ہے۔ پانی کے گرداب یا گڑھے وسعت اور گہرائی میں اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی جہاز ان کی حد میں آجائے تو فوراً کھنچ کر پانی کی تہہ میں پہنچے گا اور وہاں چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا اور پانی کے اترنے پر بس اس کے ٹکڑے تیرتے ہیں گے لیکن ٹھہراؤ کے یہ وقفے محض جزر کے بعد میں بدلنے کے موقعے پر اور پرسکون موسم میں آتے ہیں وہ بھی کوئی پانچ گھنٹے کے لئے اس کے بعد پھر رفتہ رفتہ وہی تیزی اور تندی واپس آجاتی ہے۔ جب ریلا زوروں پر ہو اور طوفان کی وجہ سے تلاطم اور بڑھ گیا ہو۔ اس کے ایک میل کے حلقے کے اندر آنا خطرناک ہے نہ جانے کتنی کشتیاں بجرے اور جہاز اس کی احتیاط نہ کرنے سے تباہ ہوئے ہوں گے۔ یہ بھی اکثر ہوتا ہے کہ وہیل مچھلیاں اس رو کے بہت قریب آجاتی ہیں اور پھر ان کا کوئی بس نہیں چلتا۔ اس بے بسی کا عالم بس دیدنی ہوتا ہے۔ وہ اپنے کو پانی کے جبر کی ظالم گرفت سے آزاد کرانے کے لئے بے سود تلملاتی ہیں اور چیخ پکار مچاتی ہیں ایک بار ایک ریچھ بوفوڑن سے سمندر میں تیرتے ہوئے موسکو پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ پانی کی رو کی گرفت میں آگیا اور رواسے نیچے کھینچ لے گئی۔ اس کی چیخیں اتنی خوفناک تھیں کہ ساحل پر بھی سنائی دیتی تھیں۔ شمشاد و صنوبر کے تناور درخت اس لہر کی زد میں آکر ایک بار سمندر کی تہہ میں جاکر جو باہر آتے ہیں تو ایسی شکستہ اور دریدہ

حالت میں ہوتے ہیں جیسے ان کی سطح پر گھنے بال اُگ آئے ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس پانی کے نیچے نکیلی چٹانیں ہیں جن میں پانی کی چکی انھیں گھما کر ریشہ ریشہ کر دیتی ہے۔ پانی کی یہ چکی سمندر کے اُتار چڑھاؤ کے حساب سے چلتی ہے۔ یعنی پانی ہر چھ گھنٹے کے بعد چڑھتا اترتا ہے۔ ۱۶۷۵ء میں شمشتم انوار کی صبح کو پانی کی گردش کے زور اور گونج کا یہ عالم تھا کہ ساحلی مکانات کے پتھر تک زمین پر آگرے۔"

جہاں تک پانی کی گہرائی کا سوال ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بھنور کے عین نواح میں پانی کی تھاہ کیسے پائی جا سکتی ہے۔ چالیس فیدم گہرائی تو موسکو یا نوڈن کے ساحل کے قریب ہو گی۔ موسکوسٹروم کے قلب کی گہرائی تو اس سے کہیں زیادہ ہو گی جس کا اندازہ بھی مشکل ہے۔ اس حقیقت کا ثبوت ہلیگن کی سب سے اونچی چٹان سے بھنور کی اندرونی گہرائی پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے مل جائے گا۔ میں نے اس چوٹی سے نیچے کف آلود اور ڈراؤنے سمندر کی پہنائی پر نظر ڈالی تو بیچارے جوناس ریمس کی سادگی پر مسکرائے بنا نہ رہ سکا جس نے وہیلوں اور ریچھوں کے قصے ناقابل یقین سمجھ کر لکھے ہیں۔ مجھے تو یہ محسوس ہوا کہ اگر بڑے سے بڑا جہاز بھی اس رو کی زد میں آجائے تو پانی کے زور کے آگے اسی طرح بے بس ہو گا جس طرح کسی طوفان عظیم کے آگے کسی پنچھی کا پر۔ اس کا فوراً تباہ و برباد ہو جانا یقینی ہے۔

یہ کیا اسرار تھا اس کی اس وقت کئی توجیہیں میرے ذہن میں آتی تھیں جن میں سے بعض اس وقت معقول بھی معلوم ہوئیں لیکن اب نا تسلی بخش نظر آنے لگیں۔ عام خیال یہ ہے کہ اس گرداب اور جزائر فیرو کے تین چھوٹے گردابوں کی موجود اس کے کوئی اصل

نہیں کہ جوار بھاٹے میں چڑھتی اُترتی لہریں چٹانوں اور سمندری کھوہوں کے ایک سلسلے سے ٹکرا کر آبشار کی صورت اختیار کر لیتی ہیں لہٰذا جتنا اونچا چڑھاؤ ہوگا اسی قدر گہرا اتار بھی ہوگا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ پانی کا ایک چکر یا بھنور بندھ جائے گا جس کی زبردست صلاحیتِ کشش کا کافی اندازہ چھوٹے تجربوں سے کیا جا سکتا ہے۔"

یہ الفاظ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے ہیں۔ کرچر وغیرہ کا خیال ہے کہ مائل سترومم کی پیدائش کا مرکز ایک عمیق غار ہے جو زمین کے جوف میں چلا گیا ہے اور کہیں بہت دور جا کر نکلتا ہے۔ ایک شخص نے تو قطعی طور پر اس جگہ کا نام بھی دیا ہے۔ خلیج بوتھنیا۔ یہ رائے دور از کار تو معلوم ہوتی ہے لیکن میرے دل نے فوراً قبول کر لی۔ جب میں نے گائیڈ سے اس کا ذکر کیا تو اس نے کہا کہ اگرچہ اہل ناروے کا سب کا عقیدہ یہی ہے لیکن میرا اپنا نظریہ یہ نہیں۔ باقی رہا پہلا نقطہ نظر وہ ویسے میری فہم سے بالاتر ہے ـــــ مجھے بھی اس کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا کیونکہ کاغذ پر یہ کتنا ہی معقول معلوم ہو لیکن اس قعرِ عظیم کی گھن گرج کے درمیان نہ صرف ناقابلِ قبول بلکہ لایعنی سا معلوم ہوا

"تم اس گرداب کو خوب اچھی طرح دیکھ چکے" بڑے میاں نے کہا۔ "اگر تم اس چٹان کے گرد ہوتے ہوئے ادھر اوٹ میں آ جاؤ جہاں پانی کا آ جانا جہاں پانی شور دھما پڑ جاتا ہے۔ تو میں تمہیں ایک داستان سناؤں جسے سن کر تمہیں یقین آ جائے گا کہ موسکو سترومم کے اسرار سے کچھ قدر میں بھی واقف ہوں۔"

جب میں اس اوٹ میں ہو گیا تو گائیڈ نے اپنی داستان شروع کی

"میرے اور میرے دو بھائیوں کے پاس ایک زمانے میں مچھلی پکڑنے کا ایک مستولی جہاز تھا کوئی ستر من وزن کا۔ اس میں ہم جزیرہ موسکو سے پرے بلکہ جزیرہ وَرَغ تک

مچھلی پکڑنے جاتے تھے۔ سمندر کے تمام بڑے بھنوروں میں مناسب موقع پر کوشش کی جائے تو مچھلی اچھی مل جاتی ہے البتہ ایسی کوشش کے لئے جرأت کی ضرورت ہے یہ حقیقت ہے کہ لوفوڈن کے ساحل کے باسیوں میں سے صرف ہم تین آدمی تھے جو باقاعدگی سے ان جزیروں کی طرف مچھلی پکڑنے کو جاتے تھے۔ جنوب کی طرف کو پانی کی سطح بالعموم بہت نیچی ہے۔ وہاں مچھلی ہر وقت مل سکتی ہے اور خطرہ زیادہ نہیں۔ اسی وجہ سے لوگ ایسے مقامات کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہاں چٹانوں میں جو اچھے مقامات ہیں ان میں نہ صرف مچھلی بہت اچھی قسم کی ملتی ہے بلکہ کثیر مقدار میں بھی۔ اکثر ایسا ہوا کہ ہم نے ایک دن میں اتنی مچھلی فراہم کر لی جتنی اور لوگ ایک ہفتے میں نہ کر سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک قسم کا جوا یا سٹہ تھا۔ وہاں محنت کی ضرورت تھی یہاں کا خطرہ تھا۔ وہاں روپیہ درکار تھا یہاں ہمت۔ ہم اپنے جہاز کو یہاں سے کوئی پانچ میل ادھر اوپر کی طرف ایک کھاڑی میں ٹھہرا دیتے تھے اور اچھے موسم میں ہمارا یہ دستور تھا کہ جوں ہی پندرہ منٹ کے لئے پانی اترا ہم موقع سے فائدہ اٹھا کر موسکوسٹرووم کی پہنائی کو پار کرتے ہوئے اس کنڈے سے کہیں آگے نکل جاتے۔ اور پھر اوٹرام یا سینڈفلیسن کے قریب لنگر جا ڈالتے جہاں گرداب اتنے زبردست نہیں ہیں جتنے دوسرے مقامات پر۔ یہاں ہم پانی کے دوبارہ اترنے کے وقفے تک ٹھہرتے تھے، اس کے بعد مچھلی پار کر کے کو واپسی کا راستہ لیتے تھے۔ ہم اس قسم کی مہم پر پہلو کی ہوا متوازن اور مستقیم دیکھ کر ہی نکلتے تھے۔ جس میں ہم اطمینان اور سلامتی سے واپس بھی آسکیں اس معاملے میں ہمارا اندازہ شاید ہی کبھی غلط ہوا ہو۔ چھ سال کے عرصے میں دوبارا ایسا اتفاق پیش آیا کہ ہمیں پانی کے مکمل سکون کی وجہ سے رات بھر لنگر ڈالے کھڑا رہنا

پڑا۔ یہاں ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے ایک بار تو ہمیں کوئی ہفتہ بھر رُکے رہنا پڑا اور فاقے سے جان کے لالے پڑ گئے۔ وجہ یہ کہ ہماری آمد کے تھوڑی دیر بعد جھکڑ چلنا شروع ہوا اور تلاطم سے سمندر کی پہنائی ناقابل گزر ہو گئی۔ اس موقعے پر ہم اپنی سی ہر کوشش کے باوجود گرداب ہمیں ان زوروں کے چکر دے رہے تھے۔ کہ آخر کار ہم نے جہاز کے لنگر کو اجھا کے کھینچنا شروع کیا۔ کھینچ کر سمندر کے اندر چلے گئے ہوتے لیکن جہاز دو مخالف دھاروں میں جا پھنسا جو جہاز کو آج یہاں تو کل وہاں دھکیل لے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے ہمیں جزیرہ فلمن کی آڑ میں پہنچا دیا جہاں ہم نے لنگر ڈال دیا۔ یہ ہماری بڑی خوش قسمتی تھی۔

پانی میں ہمیں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہیں ان کا عشر عشیر بھی آپ سے بیان نہیں کر سکتا۔ یہ بڑی ظالم جگہ ہے۔ اچھے موسم کے دن میں بھی لیکن ہم ہمیشہ یہ خطرہ مول لے کر سمندر میں نکل جاتے تھے اور اکثر کوئی حادثہ پیش نہ آتا تھا۔ ایسا اتفاق ہوا کہ ہم بحر رکے وقت سے ایک منٹ اِدھر یا اُدھر ہو گئے اور موت سامنے کھڑی نظر آنے لگی۔ ہوتا یہ تھا کہ ہوا اتنے زور کی نہ ہوتی تھی جتنی ہم چلتے وقت اندازہ کرتے تھے نتیجتاً ہم اپنی توقع سے کم راستہ طے کر پاتے تھے اور پانی کی رو جہاز کے توازن کو تہ و بالا کر دیتی تھی۔ میرے بڑے بھائی کا ایک لڑکا تھا۔ اٹھارہ برس کا اور خود میرے دو بیٹے تھے کڑیل جوان۔ ایسے موقعوں پر ہمیں ان سے بڑی مدد ملتی نہ صرف جہاز کو ایسے پانی سے نکال لے جانے میں بلکہ بعد ازاں مچھلی پکڑنے میں بھی۔ لیکن ہم خود تو خطرہ مول لے لیتے تھے لیکن اپنے جگر گوشوں کو اس خطرے میں ڈالنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ کیونکہ کچھ بھی ہو خطرہ بڑا ہی زبردست تھا۔ اور اس میں ذرہ بھر

جھوٹ نہیں۔ اس وقت میں جو داستان آپ کو سنانے لگا ہوں اس کو واقع ہوئے
تین سال پورے ہونے کو ہیں۔ یہ جولائی ۱۸۱۸ء کا ذکر ہے۔ اس تاریخ کو ان نواحات کے
لوگ کبھی نہ بھولیں گے۔ اس روز سمندر میں ایسا خوفناک طوفان آیا کہ اس سے
پہلے شاید ہی کبھی آیا ہو۔ لیکن صبح بھر بلکہ قریب شام تک جنوب مغرب کی طرف
سے بہت نرم اور دھیمی ہوا چلتی رہی تھی اور سورج بھی خوب چمک رہا تھا۔ ایسے
میں کوئی انتہائی جہاندیدہ جہازی بھی یہ اندازہ نہ کر سکتا تھا کہ ایسا زبردست طوفان
آئے گا۔ ہم تین آدمی۔ میں اور میرے دو بھائی سہ پہر کو دو بجے ان جزیروں کے
قریب جا پہنچے تھے اور جلد ہی بہت ہی اچھی مچھلی جہاز میں بار بھی کر چکے تھے اس
روز مچھلی کی کثرت بھی اس قدر تھی کہ پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ میری گھڑی کے حساب
سے سات بج چکے تھے جب ہم نے واپسی کی راہ اختیار کی تاکہ ایسے وقت جب کہ
پانی تھما ہوا ہے سترم کو عبور کر لیں۔ ہمارے اندازے کے مطابق آٹھ بجے یہ
کیفیت ہونی چاہیئے تھی،

جس وقت ہم چلے ہیں ہماری دہنی سمت سے تازہ ہوا آ رہی تھی اور کچھ عرصہ
ہم بڑی رفتار سے بڑھتے آئے۔ ہمیں کسی خطرے کا نہ ذرا بھر خدشہ تھا نہ توقع۔
یکایک جزیرہ ہسیگن کے اوپر سے ہوا آنی شروع ہوئی۔ اب ہم گھبرائے یہ ایک
غیر متوقع بات تھی۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا ــــ مجھے ایک طرح کی بے چینی
سی محسوس ہونے لگی اگرچہ میں نہیں جانتا تھا کہ کیوں۔ ہم نے کشتی کو ہوا کے رخ پر
ڈال دیا لیکن بھنور ایسے تھے کہ ہم آگے نہ بڑھ پائے۔ میں لوٹنے کی تجویز پیش کرنے
ہی والا تھا کہ جہاز کی پشت جانب تانبے کی رنگت کا ایک عجیب و غریب بادل نظر

آیا جو اُفق سے اُٹھ کر حیرت انگیز تیزی سے آسمان پر چھائے جا رہا تھا۔

اتنے میں وہ ہوا جو ہمیں بہانے لئے جا رہی تھی بند ہو گئی اور اب ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔ ہمارا جہاز لہروں پر کبھی اِدھر چلا جاتا تھا کبھی اُدھر لیکن یہ کیفیت اتنی دیر بھی نہ رہی کہ ہم کچھ سوچ سکتے۔ ایک منٹ کے اندر طوفان نے ہمیں آلیا اور دو منٹ کے اندر سارا آسمان دھواں دھار ہو گیا۔ ہم بے بس ہو کر رہ گئے تاریکی ایسی گھٹا ٹوپ تھی کہ ہم جہاز میں ایک دوسرے کی شکل بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ اس طوفان کا عالم بیان کرنے کی کوشش ہی بے کار ہے۔ نار وے کے کسی جہاندیدہ جہازی نے بھی ایسا طوفان کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ ہم نے ہوا کے لئے اپنے بادبان کھول رکھے تھے کہ اس نے ہمیں آگھیرا لیکن پہلے ہی جھونکے نے دونوں مستولوں کو اس طرح توڑ پھینکا جیسے کسی نے آرے سے انھیں کاٹا ہو۔ میرا سب سے چھوٹا بھائی سہارے کے لئے بڑے مستول سے چمٹا ہوا تھا۔ مستول کے ساتھ وہ غریب بھی گیا۔

ہماری کشتی کی حیثیت اس طوفان میں پرکاہ کی تھی۔ اس کا عرشہ اس قسم کا تھا کہ اس میں پانی بالکل نہ ٹھیرتا تھا صرف جہاز کے ماتھے کے قریب ایک چھوٹا سا دروازہ تھا اور ہمارا یہ دستور تھا کہ جب سٹرذم کو پار کرنے لگتے تھے تو اس کو بند کر دیتے تھے طوفانی لہروں سے بچاؤ کے لئے اگر یہ نہ ہوتا تو ہم فوراً غرقاب ہو جاتے کیونکہ چند لمحے تو بالکل پانی میں مدفون رہے۔ میرا بڑا بھائی تباہ ہونے سے کس طرح بچا یہ میں نہیں جانتا کیونکہ مجھے یہ دریافت کرنے کا کبھی موقع نہ ملا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے اپنے کو عرشے پر گرا دیا اور اپنے پاؤں جہاز کے ماتھے کی ٹکیلی پٹی میں

پھنسا لیئے اور ہاتھوں سے ایک آہنی کڑے کو مضبوط پکڑ لیا جو آگے کے مستول کی جڑ کے قریب فرش میں جڑا ہوا تھا۔ یہ محض اٹکل یا عقل حیوانی کی کرامات تھی جو میں نے یہ بھی کر لیا کیونکہ وہ وقت سوچ کر کچھ کرنے کا تو تھا نہیں۔ پھر اس وقت میں اس کے علاوہ اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتا تھا۔

چند لمحے تک ہم بالکل غرقاب رہے۔ اس دوران میں اپنی سانس روکے اس کڑے کو مضبوطی سے پکڑے پڑا رہا۔ جب مجھ میں اس کی زیادہ تاب نہ رہی تو میں گھٹنوں کے بل ذرا اونچا اٹھا لیکن کڑے کی گرفت پھر بھی نہ چھوڑی۔ اس سے کچھ حواس بجا ہوئے یکایک ہماری کشتی نے ایک جھٹکا سا کھایا جیسے کوئی کتا پانی سے نکل کر اپنا جسم جھٹکتا ہے۔ الغصہ ہماری کشتی نے خدا جانے کو کسی حد تک سمندر کے نرغے سے آزاد کر لیا۔ میں اپنے حواس کو تا بجا لانے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ دیکھ سکوں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ مجھے اپنے بازو پر کسی کی گرفت محسوس ہوئی۔ یہ میرا بڑا بھائی تھا۔ میرا دل خوشی سے نہال ہو گیا کیونکہ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ پانی کی نذر ہو گیا ہے۔ اگلے ہی لمحے یہ ساری خوشی دہشت اور خوف میں بدل گئی جب کہ وہ اپنا منہ میرے کان کے پاس لا کر چیخا "موسکو سترووم"

اس وقت میرے کیا احساسات تھے یہ کبھی کوئی نہ جان پائے گا میں جاڑے کے بخار کے مریض کی طرح سر سے پاؤں تک کپکپا کے رہ گیا۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس ایک لفظ میں کتنے معنے ہیں اور میرا بھائی مجھے کیا بات سمجھانا

چاہتا ہے ہوا جس رُخ ہمیں بہائے لئے جا رہی تھی وہ سترہ کے بھنور کی سمت تھی اور اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں بچا نہ سکتی تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ سترہ کے رودبار کو پرسکوں موسم میں پار کرتے ہوئے ہم بھنور کے بہت دُور سے ہو کے گزرتے تھے اور اس کے بعد بڑی احتیاط سے پانی کے تھمنے کا انتظار کرتے تھے لیکن اب ہم عین اس بھنور میں جا رہے تھے اور ایسی طوفان کے عالم میں۔ میں نے سوچنا شروع کیا کہ وہاں پہنچنے تک پانی یقیناً تھم جائے گا اور اس طرح کچھ امید بچنے کی ہے لیکن اگلے ہی لمحے مجھے احساس ہو گیا کہ میں امید کے خواب دیکھ کر کتنی بڑی حماقت کر رہا ہوں۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ نوے توپوں والا جہاز بھی ہوتے تو سفر ناممکن تھا۔ اور تیا ہی یقینی۔

اس وقت تک طوفان کا پہلا جوش و خروش ختم ہو گیا تھا یا پھر چونکہ ہم ہوا کے آگے آگے بھاگے چلے جا رہے تھے ہمیں ایسا محسوس ہوا ہو گا۔ پھر دیکھتے دیکھتے سمندر کی موجیں جو ہوا کے زور سے دبی ہوئی تھیں اور جن پر جھاگ ہی جھاگ نظر آتی تھی اُٹھ کر آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ ادھر آسمان کی کیفیت میں بھی ایک عجیب تبدیلی واقع ہوئی۔ اگرچہ ہر چہار طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا لیکن عین ہمارے سروں کے اوپر یکایک مطلع ایک دائرے کی صورت میں صاف نکل آیا۔ ایسا صاف کہ بہت کم کبھی دیکھا ہے۔ اس کا رنگ گہرا نیلا تھا اور اس میں سے پورا چاند چمکتا نظر آیا۔ اس کی تابانی ایسی تھی کہ پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس میں ہر چیز منور ہو گئی اور دن کی طرح نظر آنے لگی۔ لیکن میرے خدایا وہ وہ منظر جو اس تنویر سے منور ہوا کتنا عجیب تھا۔ میں نے اپنے بھائی سے بات کرنے کی ایک

دو بار کوشش کی لیکن خدا جانے کس وجہ سے شور اتنا بڑھ گیا کہ وہ ایک لفظ بھی نہ سن پایا حالانکہ میں پورا زور لگا کر اس کے کان میں چیخ رہا تھا۔ یکایک اس نے اپنے سر کو ایک جنبش دی۔ اس کے چہرے پہ موت کی سی زردی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی ایک انگلی اوپر اٹھائی جس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے "سنو" اوّل اوّل میں اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ لیکن جلد ہی ایک وحشت ناک خیال میرے ذہن میں پیدا ہوا۔ میں نے جیب سے گھڑی کو کھینچ کے نکالا وہ چل نہیں رہی تھی۔ میں نے چاند کی روشنی میں اس کی سوئیاں دیکھیں اور بے اختیار میرے آنسو نکل گئے۔ میں نے اسے اٹھا کے سمندر میں پھینک دیا — گھڑی سات بجے رک گئی تھی۔ ہم پانی کے تھمنے کے وقت تک پہنچ سکے تھے۔ پیچھے رہ گئے تھے اور سترہ کا بھنور قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا۔

اگر کوئی کشتی اچھی بنی ہو۔ متوازن ہو۔ اور زیادہ گہری نہ ہو تو شدید طوفان کی موجیں اس کے نیچے سے ہو کے نکل جاتی ہیں۔ ناواقف آدمی کو یہ بات بہت عجیب معلوم ہوگی۔ سمندر کی اصطلاح میں اسے 'طرح دینا' کہتے ہیں۔

خیر اب تک ہم موجوں کے اتار چڑھاؤ پر طرارے بھرتے جا رہے تھے۔ لیکن یکایک جہاں کی کہنی کے نیچے سے ایک خوفناک سمندر ابھرا جو ہمیں اونچا ہی اونچا اٹھاتا چلا گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہم آسمان کو چھو کر دم لیں گے۔ میں کبھی نہ سوچ سکتا تھا کہ کوئی لہر اتنی اونچی اٹھ سکتی ہے۔ اس کے بعد ہم یک لخت بڑے زناٹے سے نیچے آ گئے۔ میرا سر یوں گھوم گیا جیسے میں خواب کے عالم میں کسی اونچے پہاڑ سے اگر رہا ہوں لیکن لہر کی چوٹی پہ ایک نظر میں نے اپنے گرد و پیش ڈالی تھی اور وہ ایک نظر بہت تھی۔

میں نے ایک لمحے میں دیکھ لیا کہ ہم کہاں ہیں۔ موسکوسترووم بھنور ہم سے کوئی چوتھائی میل آگے تھا لیکن یہ روز کا موسکوسترووم نہیں تھا۔ اس دن کے بھنور کے سامنے عام دنوں کے موسکوسترووم کی وہی حیثیت ہے جو آج کے اس بھنور کے سامنے گھومتی چکی کی۔ اگر مجھے معلوم نہ ہوتا کہ ہم کہاں ہیں اور ہمارا کیا حشر ہو سکتا ہے تو میں اس مقام کو قطعاً پہچان نہ پاتا۔ اس کو دیکھ کر دہشت کے مارے میری آنکھیں بے اختیار بند ہو گئیں۔ پپوٹے اس طرح بند ہوئے جیسے تشنج کے عالم میں ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد دو منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ لہریں یک لخت اترتی محسوس ہوئیں اور اب ہمارے ہر چہار طرف جھاگ ہی جھاگ تھی۔ کشتی یک لخت بائیں پہلو گھوم گئی اور پھر بجلی کی سی تیزی سے ایک نئی سمت میں رواں ہو گئی۔ اسی لمحے پانی کی گھن گرج بالکل ختم ہو گئی اور اس کی جگہ ایک تیز چیخ نے لے لی۔ یوں سمجھیے جیسے ہزاروں دخانی جہاز بیک وقت بھاپ کی سیٹی بجا اٹھے ہوں۔ اب ہم اس جھاگ کی پٹی میں تھے جو ہمیشہ اس بھنور کو گھیرے رہتی ہے۔ اور میں نے سوچا کہ لگے ہاتھ ہم بھنور کی گہرائیوں میں جا گریں گے۔ اس گہرائی کو ہم واضح اور صاف طور پر دیکھ بھی نہ پائے تھے۔ کیونکہ حیرت انگیز سریع رفتاری سے بہے جا رہے تھے۔ کشتی سمندر میں ڈوبتی ہر گز معلوم نہ ہوتی تھی۔ یہ محسوس ہوتا تھا۔ جیسے پانی کا کوئی بلبلا کسی موج پر رواں ہو۔ کشتی کا دہنا پہلو بھنور کے حاشیے کے قریب تھا اور بائیں پہلو پردہ مواج سمندر تھا جسے ہم گزر کے آ رہے تھے اور جو اب ہمارے اور افق کے درمیان ایک لرزاں اور پیچاں دیوار کی صورت میں حائل تھے۔

یہ بات عجیب معلوم ہوگی لیکن حقیقت یہی ہے کہ اس وقت جب کہ ہم اس

خوفناک خلیج کے عین منہ میں پہنچ چکے تھے میں نے اس وقت کی نسبت جب کہ ہم اس کے قریب آ رہے تھے، زیادہ سکون محسوس کیا۔ دل میں یقین تھا کہ اب بچاؤ کی قطعاً کوئی امید نہیں اس لیئے وہ دہشت بھی بڑی حد تک دب گئی جس نے شروع میں حواس معطل کر دیئے تھے۔ میرے خیال میں انتہائے مایوسی نے میرے اعصاب کو بجا کر دیا۔

آپ اسے ڈینگ نہ سمجھیں۔ میں سچ عرض کر رہا ہوں۔ میں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ یہ موت بھی کیا شاندار موت ہوگی اور خدائے قہار کی قوتوں کے اس عظیم الشان مظہر کے سامنے ایک فرد کی زندگی کی کیا حقیقت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے خوف کے خیال سے مجھے شرم محسوس ہونے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے دل میں یہ اُمنگ جاگی کہ قربانی تو خیر مجھے دینی ہی ہے اس کی گہرائیوں کی کھوج لگاؤں۔ مجھے افسوس صرف اس بات کا تھا کہ میں واپس جا کر اپنے پرانے ساتھیوں کو ان اسرار کا حال نہ بتا پاؤں گا۔ ایسے عالم میں کسی شخص کے ذہن میں ایسے خیالات آنا یقیناً حیرانی کی بات ہے اور اب تو میرا یہ خیال ہے کہ کشتی کو بھنور کے دائرے کے گرد جو چکر کاٹنے پڑے شاید اس کی وجہ سے میں بہک چلا تھا۔

ایک اور بات ایسی ہوئی جو حواس کی بحالی کے حق میں اچھی تھی۔ اور وہ یہ کہ ہوا بند ہو گئی یعنی ہم جہاں تھے وہاں ہوا پہنچ نہ سکتی تھی کیونکہ جیسا کہ آپ خود دیکھ چکے ہیں جھاگ والی پٹی سمندر کی باقی سطح سے کہیں نیچے ہے۔ باقی سمندر اب ہم سے بہت اونچا سیاہ رنگ کا ایک پہاڑ بن کر تلا ہوا تھا۔ اگر آپ نے کبھی شدید طوفان باد کے عالم میں سمندر نہیں دیکھا تو آپ اس اضطراب کا بھی اندازہ نہیں

کر سکتے جو جھکڑ اور پانی کی اُڑتی چھینٹیں ذہن پر طاری کر دیتی ہیں۔ وہ آپ کی آنکھوں کو اندھا اور کانوں کو بہرا کر دیتی ہیں۔ آپ کا دم بند ہو جاتا ہے۔ نہ آپ کچھ کر سکتے ہیں نہ کچھ سوچ سکتے ہیں۔ لیکن اب ہم بڑی حد تک ان تکلیف دہ اُلجھنوں سے آزاد تھے جس طرح قید خانے میں ان مجرموں کو جنہیں موت کی سزا سنا دی جاتی تھی بعض معمولی سہولتیں دی جاتی ہیں جو ان مجرموں کو نہیں ملتیں جن کی قسمت کا فیصلہ ہونا باقی ہو۔

ہم کتنی بار اس پٹی کے گرد گھومے یہ بتانا ناممکن ہے۔ ہم شاید ایک گھنٹے تک چکر پہ چکر کاٹتے رہے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ کشتی پانی میں تیر نہیں رہی بلکہ اُڑ رہی ہے۔ ہم رفتہ رفتہ دہ کے قلب کی طرف جا رہے تھے۔ اور یوں اس کی خوفناک اندرونی سرحد کے ہر لحظہ قریب ہو رہے تھے۔ میں نے جس آہنی حلقے کو پکڑ رکھا تھا اسے ایک دم کو بھی نہ چھوڑا تھا۔ میرا بھائی بدنصیب جہاز میں تھا۔ وہ پانی کے ایک بہت بڑے خالی پیپے سے چمٹا ہوا تھا جو جہاز کی کہنی کے ٹانکے کے رسیوں سے مضبوط بندھا تھا عرشے پر بس یہی ایک چیز رہ گئی تھی جسے طوفان کا پہلا ہلہ بہا کے لے گیا تھا۔ جونہی ہم اس جوف دریا کے کنارے کے قریب پہنچے اس کے پیپے کی گرفت چھوڑ دی اور اس کرّے کی طرف لپکا۔ خوف و دہشت سے وہ اتنا بے حال ہو رہا تھا کہ اس کرّے سے میرے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی جیسے وہ اتنا کافی بڑا نہ ہو کہ ہم دونوں کو سہارا دے سکے۔ مجھے اس کی اس حرکت پر انتہائی صدمہ ہوا۔ اگرچہ میں جانتا تھا کہ اس پر خوف و دہشت سے جنون طاری ہے۔ میں نے اس معاملے پر اس سے جھگڑنا یا مسابقت کرنا مناسب نہ خیال کیا۔ میں نے یہی

سوچا۔ کہ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ ہم دونوں میں سے کون اس کرسی پر قابض رہتا ہے۔ لہٰذا میں نے اسے چھوڑ دیا اور دبالہ جہاز میں اس پیپے کی طرف کو چلا۔ اس میں کوئی دقت پیش نہ آئی کیونکہ کشتی اس وقت متوازی چل رہی تھی۔ میں بمشکل وہاں تک پہنچ پایا تھا کہ ہم یک لخت دہنے پہلو کو ایک زبردست جھٹکا کھا کر سرکے بل قعر دریا میں جا گرے۔ میں نے جلد جلد خداوند کی حمد کے کچھ الفاظ ادا کیے اور سوچ لیا کہ اب معاملہ ختم ہے۔

ہم اس تیزی سے پانی کی گہرائی میں اترے کہ میں بے اختیار اس پیپے سے چمٹ اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ کئی لمحے تو میں انھیں کھولنے کی جرأت بھی نہ کر سکا۔ مجھے یہ توقع تھی کہ بس اب کسی بھی لمحے ہم موت سے ہمکنار ہوں گے اور حیرت تھی کہ پانی کے ساتھ موت کی یہ کشمکش اب تک شروع کیوں نہیں ہوئی لمحے پہ لمحے گزرتے گئے اور میں ابھی تک زندہ تھا۔ نیچے گرنے کی کیفیت ایسی محسوس نہ ہوتی تھی اور جہاز کی حرکت بڑی حد تک ویسی ہی معلوم ہوتی تھی جیسی اس کف دار پانی کی پٹی کے اندر تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ اب جہاز پہلے کی نسبت سیدھا لہروں میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے جرأت کر کے گرد و پیش کے منظر پہ نظر ڈالی۔

یہ منظر کتنا خوفناک تھا اور اس کو دیکھ کر دل پہ کیسی ہیبت طاری ہوتی تھی یہ میں کبھی نہ بھول سکوں گا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کشتی ایک بہت بڑے محیط کی گہری چمنی کے بیچوں بیچ معلق ہو۔ اس کی دیواریں جو بالکل ہموار تھیں سیاہی میں آبنوس نظر آتی تھیں۔ فرق یہ تھا کہ یہ دیواریں اتنی تیز رفتاری سے گردش

گر رہی تھیں کہ انسان کی سٹی گم ہو جائے - بادلوں کے درمیان آسمان کے اس مدور حلقے میں جس کا ذکر میں آپ سے کر چکا ہوں پورے چاند کی کرنیں ایک سنہرے سیلاب نور کی صورت میں ان سیاہ دیواروں اور قعر آب کی اندرونی خلوتوں پہ پڑتی تھیں اور ایک آسیبی چمک ان سے منعکس ہوتی تھی۔ پہلے پہل تو میرے حواس ایسے مختل تھے کہ میں صاف طور پہ کسی چیز کا مشاہدہ نہ کر سکتا تھا گرد و پیش عظیم اور مہیب چیزیں ہی نظر آتی تھیں۔ جب کچھ حواس ٹھکانے آئے تو میری نظریں نیچے کی طرف گئیں کشتی پانی کی ڈھلوان سطح پہ جس صورت میں معلق تھی۔ اس سے اس گہرائی کے پیندے تک بے روک ٹوک نظر جاتی تھی خود تو پانی کے بالکل منوانی پڑی ہوئی تھی لیکن پانی سطح افق سے پینتالیس درجے کا زاویہ بنائے ہوئے تھی۔ اس وجہ سے معلوم ہوتا تھا جیسے ہم اپنے پہلو پر کھڑے ہوں۔ تاہم اس صورت میں بھی اس کے فرش پہ اس طرح بے تکلفی سے پاؤں جمائے اور گرفت قائم رکھے کھڑے رہ سکتے تھے جیسے بالکل مسطح پانی پہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم انتہائی تیز رفتاری سے گردش کر رہے تھے۔ چاند کی شعاعیں اس غار عظیم کے اعماق تک پہنچتی معلوم ہوتی تھی تاہم میں کچھ صاف نہ دیکھ سکتے تھے ہر چیز کثیف دھند میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس باریک اور لرزاں پل کی طرح جو مسلمانوں کے عقیدے کے بموجب زمان اور ابد کے درمیان واحد راستہ ہے۔ یہ دھند یا آبی غبار بلاشبہ اس دریائی چمنی کی بڑی بڑی دیواروں کے نیچے پیندے میں جا کر ملنے اور باہم متصادم ہونے سے پیدا ہوتا ہے — لیکن اس دھند میں سے جو مہیب چنگھاڑ کی سی آواز اٹھ کے آسمان تک جا رہی تھی اس کا بیان

میرے بس سے باہر ہے۔

ہم جھاگ دار پانی کی پٹی سے اس آبی غار میں داخل ہوتے ہی پانی کی ڈھلوان میں بہت نیچے چلے گئے تھے لیکن اس سے مزید نیچے جانے کی رفتار اتنی نہ تھی ہم گھوم رہے تھے۔ چکر کاٹ رہے تھے لیکن ہماری حرکت کی رفتار یکساں نہ تھی بلکہ ہم جھولتے اور ہچکولے کھاتے جا رہے تھے۔ کبھی تو ہم چند سو گز جا کر اپنی جگہ آجاتے تھے۔ کبھی بھنور کا پورا چکر کاٹتے تھے۔ ہر چکر میں ہم بہت سست رفتار سے نیچے جا رہے تھے لیکن بیچے حاضر ہو رہے تھے۔

سال آنبوس کی جس ساحتِ ویراں پہ ہماری کشتی چکر کاٹ رہی تھی اس پہ ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ اس بھنور کی آغوش میں ہماری کشتی تنہا نہیں ہے۔ ہمارے اوپر نیچے مختلف جہازوں کے ٹکڑے، بڑے بڑے شہتیر، درختوں کے تنے اور ٹنے اور چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی مثلاً گھروں کے فرنیچر کے اجزاء ٹوٹے ہوئے صندوق۔ پیپے، اور لکڑی کی پیٹیاں تیرتی پھر رہی تھیں۔ میرے شروع کے خوف اور دہشت کی جگہ جس غیر قدرتی استعجاب نے لی تھی اس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔ جوں جوں اپنے خوفناک انجام کے قریب ہوتا گیا یہ استعجاب بڑھتا گیا۔ اب میں نے ایک عجیب طرح کی دلچسپی سے ان لاتعداد چیزوں کا معائنہ کرنا شروع کیا جو ہمارے علاوہ اس گرداب کی اسیر تھیں مجھ پہ لاتہ ماندیانی کیفیت طاری ہو گئی ہو گی کیونکہ میں ان چیزوں کے کفِ دریا کی آغوش میں اترنے کی مختلف رفتاروں کے متعلق قیاس آرائیوں میں لطف سا لینے لگا۔ مثلاً میں نے شمشاد کے ایک درخت کے متعلق سوچا کہ اب اس کے قعرِ دریا میں جانے اور

غائب ہونے کی باری ہے لیکن یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ اس کی بجائے ایک ولندیزی تجارتی جہاز کا ڈھانچ پہلے ڈوبا۔ میں نے متعدد قیاس دوڑائے جو سب کے سب غلط نکلے۔ اب جو میں نے سوچنا شروع کیا تو میرے اعضا پر پھر ایک لرزہ سا طاری ہوگیا اور میرا دل پھر زور زور سے دھڑکنے لگا یہ کوئی نیا خوف نہیں تھا جو اس وقت مجھ پر طاری ہوگیا ہو بلکہ اس کی وجہ امید کی ایک ہیجان خیز جھلک تھی۔ اس امید کی وجہ کچھ تو بھولی ہوئی بعض باتوں کا یاد آنا تھا اور کچھ موجودہ مشاہدہ۔ مجھے وہ مختلف اور لاتعداد چیزیں یاد آئیں جنھیں سمندر اچھال کر لوفوڈن کے ساحل پر پھینک دیتا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو پہلے تو سکومنزوم کی آغوش میں چلی جاتی ہیں اور پھر بھنور انھیں نکال پھینکتا ہے زیادہ تر چیزیں تو عجیب شکستہ حالت میں ہوتی ہیں۔ ٹکڑے اور دھجیاں اڑی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے یاد آیا کہ بعض چیزیں ایسی بھی نظر آتی ہیں جن کا قطعاً کچھ نہیں بگڑا ہوتا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ سمجھ میں نہ آئی کہ خراب اور شکستہ چیزیں صرف وہ ہیں جو کلیتہً غرقاب ہوگئی تھیں۔ باقی ایسی ہیں جو بھنور میں بہت دیر سے داخل ہوئیں یا داخل ہونے کے بعد کسی وجہ سے اتنی آہستہ رفتار سے نیچے اتریں کہ وہ اُتار یا چڑھاؤ کے باری بدلنے تک نہ تک نہ پہنچ جائیں۔ میں نے سوچا کہ ان چیزوں کے دوبارہ سمندر کی سطح پر پہنچنے کا امکان باقی رہتا ہے اور وہ ان چیزوں کے حشر سے بچ سکتی ہیں جو ان سے قبل پانی کی تہ میں اتر گئی ہوں یا زیادہ تیزی سے نیچے چلی گئی ہوں۔ میں نے تین اور اہم باتوں کا مشاہدہ کیا۔ ایک تو یہ کہ جتنی وزنی کوئی چیز ہوگی بالعموم اتنی ہی تیزی سے پانی میں اترے گی۔

دوسرے یہ کہ ایک ہی جسامت کی دو چیزوں میں سے اگر ایک کرۂ ہی شکل کی ہوگی یعنی گول تو وہ غیر کروی شکل کی چیز کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے پانی میں اُترے گی۔ تیسرے یہ کہ اگر دو مساوی اجسام میں سے ایک اسطوانی یعنی بیلن نما ہو تو وہ دوسری شکل کی چیز کی نسبت آہستہ تر رفتار سے نیچے جائے گا۔

اپنے نیچے آنے کے بعد سے اب تک میں اس علاقے کے ایک بوڑھے اسکول ماسٹر سے متعدد بار اس موضوع پر گفتگو کر چکا ہوں اور اسطوانی اور کروی کے الفاظ بھی میں نے اس سے سیکھے ہیں۔ اس نے مجھے جو وجہ بتائی وہ تو بھلا گیا باقی یہ تھا کہ تیرتی ہوئی چیزوں کے تہ آب جانے کے قدرتی اصول یہ ہیں۔ اس نے مجھے تجربہ کر کے دکھایا کہ کوئی بیلن نما چیز بھنور میں اتنی تیزی اور اتنی آسانی سے جذب نہیں ہوتی جتنی تیزی یا آسانی سے اسی جسامت کی لیکن کسی اور شکل کی کوئی چیز۔

ایک اور حیرت انگیز بات نظر آئی جس سے ان مشاہدات کی مزید توثیق ہو گئی۔ وہ یہ کہ ہر بار جب ہم چکر کھاتے تختے تو کسی پیپے یا کسی جہاز کی ٹوٹی ہوئی یل یا شکستہ مستول پر نظر پڑتی تھی۔ بہت سی چیزیں جو میرے اس بھنور میں آنکھ کھولنے کے وقت ہم سے ہم سطح تھیں۔ اب ہمارے سروں کے اوپر نظر آتی تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ اپنی جگہ سے بس یونہی سی ہلی ہیں۔ مجھے کیا کرنا چاہیئے اس میں میرے لئے تامل کی گنجائش نہ رہی تھی۔ میں نے اپنے کوٹ سے اس پیپے کے ساتھ مضبوطی سے باندھ کر پیپے کو کشتی سے جدا کر دینے اور یوں اس کے ساتھ پانی میں کود پڑنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اشاروں سے اپنے بھائی کو ان پیچیل کی طرف توجہ دلائی جو تیرتے ہوئے ہمارے قریب آتے تھے۔ میں نے اسے

سمجھانے کی ہر امکانی کوشش کی کہ میرا ارادہ کیا ہے۔ آخر میں مجھے محسوس ہوا کہ وہ میرا مطلب سمجھ گیا ہے۔ بہر حال وہ مطلب سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو اس نے سر ہلا کر مایوسی کا اظہار کیا اور اس آہنی حلقے کو چھوڑ کر آنے سے انکار کر دیا۔ اسے مجبور کرنا ناممکن تھا اور تاخیر کی گنجائش نہ تھی لہذا کافی کشمکش کے بعد میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑا اور ان رسیوں کو کھول دیا جن سے وہ پیپا جہاز کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اب اپنے کو اس پیپے کے ساتھ باندھ کر میں بلا تاخیر سمندر میں کود گیا۔

اس کا نتیجہ میری توقع کے مطابق نکلا۔ کیونکہ اس وقت آپ کو یہ داستان سنانے والا شخص میں ہوں۔ میں واقعی بچ گیا اور چونکہ آپ کو معلوم ہے کہ کن حالات میں بچا اس لئے آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ اس سے آگے مجھے کیا کہنا ہے۔ لہذا میں اس داستان کو جلد سے جلد ختم کر دوں گا۔ میرے کشتی سے الگ ہونے کے کوئی گھنٹہ بھر بعد کشتی نے جو اتر کر مجھ سے بہت دور چلی گئی تھی جلد از جلد تین چار روز کے چکر کاٹے اور پھر میرے بھائی کو ساتھ لے کر جس سے مجھے اتنی محبت تھی، سیدھی ڈک کے بل جھاگ کی متلاطم پہنائی میں گم ہو گئی۔ میں نے اپنے کو جس پیپے کے ساتھ باندھ لیا تھا وہ اس دریائی غار کی تہ اور میرے کشتی سے کودنے کے مقام کے وسط سے ذرا ہی نیچے اترا ہو گا کہ بھنور کی حالت میں ایک بہت بڑی تبدیلی رونما ہوئی۔ اس وسیع غار کی ڈھلان کا زاویہ ہر لحظہ گھٹنے لگا۔ بھنور کے چکروں کی شدت بھی بتدریج کم ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ وہ جھاگ بھی غائب ہو گئی اور دھنک بھی اور اس

آبی غار کا پیندا آہستہ آہستہ بلند ہوتا دکھائی دیا۔ مطلع صاف تھا۔ ہوا کی شدت جاتی رہی تھی اور پورا چاند مغرب میں غروب ہوتے ہوئے اپنی تابانیاں لٹا رہا تھا۔ کہ میں نے اپنے کو سمندر کی سطح پر پایا۔ سامنے لوفوڈن کا ساحل نظر آرہا تھا اور میں اس مقام پہ تھا جہاں موسکو مسترووم کے بھنور کا حلقہ تھا۔ یہ پانی کے ٹھاؤں کا وقت تھا لیکن پھر بھی طوفان کی وجہ سے کوہ پیکر موجیں بلند ہو رہی تھیں مجھے پانی نے ایک تھپیڑے کے ساتھ مسترووم کی رودبار میں پھینک دیا۔ اور چند منٹ میں نے اپنے کو ساحل کے قریب ماہی گیروں کی شکار گاہ میں پایا۔ ایک کشتی والے نے مجھے پانی میں سے کھینچ لیا۔ اس وقت میں تھکن سے ادھموا ہو رہا تھا۔ خطرہ تو خیر اب رفع ہو گیا تھا لیکن جن دہشت ناک مراحل میں سے گزرا تھا اُن کی یاد سے میں بہوت ہو رہا تھا۔ جن لوگوں نے مجھے پانی سے کشتی میں کھینچا وہ میرے پرانے رفیق اور روز کے ساتھی تھے لیکن ان کے لئے میں اتنا ہی اجنبی تھا جتنا عالم ارواح کا کوئی مسافر۔ میرے بال جو ایک دن پہلے کوّے کے پر کی طرح سیاہ تھے اب ایسے سفید تھے جیسے آپ اس وقت انھیں دیکھ رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے میرے چہرے کی ساری ہیئت ہی بدل گئی تھی۔ میں نے انھیں اپنی داستان سنائی۔ انھیں اس پر یقین نہ آیا۔ اب میں نے یہ داستان آپ سے بیان کی ہے اور مجھے آپ سے بھی اس پر اس سے زیادہ اعتبار کی توقع نہیں جتنا لوفوڈن کے بے فکرے ماہی گیروں نے اس پر کیا ؎

زنده درگور

بعض موضوعات ایسی دلچسپی کے حامل ہوتے ہیں کہ انسان ان میں کھو کر رہ جاتا ہے ساتھ ہی وہ ایسے ہیبت انگیز ہوتے ہیں کہ ان پر افسانوں کی بنیاد نہیں رکھنی چاہیئے۔ رومانی کہانیاں لکھنے والوں کو چاہیئے کہ اگر وہ اپنے قارئین کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتے تو ان موضوعات سے احتراز کریں۔ ان پر اس وقت قلم اٹھانا مناسب ہے جب کہ ان کی بنیاد صداقت پر ہو۔ مثال کے طور ہم جہاز بیری سینما کے ہولناک سفر، لزبن کے زلزلے، لندن کی پیگ اور سینٹ بارتھولومیو کے قتل یا کلکتے کے بلیک ہول میں ۱۲۳ نفوس کے دم گھٹ کر مر جانے کی داستان پڑھتے ہیں تو ہمارے دل پر ایک چوٹ سی پڑتی ہے۔ لیکن اس میں ایک دلچسپی اور لذت کا بھی شائبہ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ حقیقی واقعات ہیں جو تاریخ پر مبنی ہیں۔ اگر یہی واقعات کسی کے ذہن کی گھڑت ہوں تو ہم تنفر و بیزاری کے

سوا کچھ خسوس نہ کریں۔

میں نے اوپر صرف چند مشہور سانحات کا ذکر کیا ہے لیکن اگر وہ ہمارے دل پہ اتنا گہرا اثر چھوڑتے ہیں تو اس میں ان کی نوعیت کے علاوہ ان کی وسعت اثر کو بھی دخل ہے۔ میرا قاری یہ بات اچھی طرح جانتا ہوگا کہ انسان پر اب تک جو عذاب نازل ہوتے رہے ہیں۔ ان کی طویل اور خوفناک فہرست میں سے میں انفرادی ابتلا کی بہت سی ایسی مثالیں منتخب کر سکتا ہوں جن میں ان بڑی بڑی آفات کے مقابلے میں سکرات کا عنصر زیادہ ملتا ہے فی الواقع انتہائے عذاب کے اطلاق کا دائرہ وسیع نہیں ہوتا بلکہ محدود ہوتا ہے۔ خداوند کریم کا شکر ہے کہ ایسے کرب عظیم کی کیفیتیں انسان پہ بصورت فرد وارد ہوتی ہیں، بصورت خلق نہیں۔

انسان پہ اس قسم کے ہوجان گداز سانحے گزر سکتے ہیں ان میں سب سے خوفناک سانحہ یقیناً زندہ تدفین کا ہے۔ باخبر لوگ اس امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ ایسے اتفاقات اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔ وہ حادثے جو زندگی کو موت سے جدا کرتی ہیں، بہت نامعلوم اور غیر معین ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ حد یہاں ختم ہوتی ہے اور وہ حد وہاں سے شروع ہوتی ہے۔ ہم جانتے ہیں بعض امراض ایسے ہیں کہ ان میں زندگی کے ظاہری آثار بالکل مفقود ہو جاتے ہیں لیکن فی الحقیقت وہ مفقود نہیں ہوتے بلکہ معطل ہو جاتے ہیں۔ وہ انسانی زندگی کی ناقابل فہم اور پیچیدہ مشین کے عارضی طور پہ رک جانے کے مترادف ہیں۔ کچھ مدت گزر جانے کے بعد کوئی نامعلوم اصول جادو کی ان چرخیوں اور پہیوں کی حرکت دوبارہ شروع کر دیتا ہے جان کا رشتہ کہیں ٹوٹنے کے بعد نہیں ہو گیا تھا نہ زندگی کا کائنہ زرّین اس طور

پر شکست ہوا تھا کہ پھر جڑ نہ سکے۔ لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ اس دوران میں روح کہاں چلی گئی تھی۔ تاہم ہمیں اس قسم کی مفروضات کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ فلاں وجوہ سے لازماً فلاں اثرات پیدا ہونے چاہئیں۔ اور آثار حیات کے معطل ہو جانے کی وجہ سے لوگ زندہ دفن ہو جاتے ہوں گے۔ ہمارے پاس ڈاکٹروں کی قطعی شہادتیں اور عام لوگوں کے تجربے یہ ثابت کرنے کے لئے موجود ہیں کہ اس قسم کی قبل از وقت تدفین واقع ہوتی رہی ہے۔ اگر ضرورت ہو تو ایسی بے شمار مثالیں گنا سکتا ہوں جو مستند ہوں گی۔ ایک ایسی ہی عجیب نوعیت کی واردات کچھ عرصے پہلے آپ کے ہمسایہ شہر بالٹی مور میں ہو چکی ہے۔ اور قارئین میں سے بعض کے ذہن میں ابھی تک تازہ ہو گی اس کی تفصیل مشہور ہونے پر لوگوں کے دلوں میں بہت ہیجان برپا ہوا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ شہر کے ایک معزز شہری کی بیوی پر ——— جو ایک نامی وکیل اور امریکی کانگرس کا ممبر بھی تھا یکایک ایک ایسی بیماری کا دورہ پڑا کہ ڈاکٹروں کا علم اور تجربہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ کافی اذیت بھگتنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ یا یہ سمجھ لیا گیا کہ ہو گیا ہے۔ کسی شخص کو یہ شبہ نہ ہوا کہ وہ خاتون مری نہیں۔ اور ایسا شبہ ہوتا بھی کیوں۔ ظاہری علامتوں سے وہ مردہ معلوم ہوتی تھی۔ چہرے کے نقوش اس طرح مسخ سے ہو رہے تھے۔ جیسے ہونے کے بعد ہو جاتے ہیں۔ ہونٹ مرمر کی طرح سفید پڑ گئے تھے اور آنکھیں دھندلا گئی تھیں جسم ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ نبض ساکت ہو گئی تھی۔ تین دن تک اس کے جسم کو اسی طرح رکھے رہے اسی دوران میں یہ سخت ہو کر پتھر بن گئی جب دیکھنے والوں کو اندیشہ ہوا کہ اب لاش سڑنے گلنے لگے تو انھوں نے جلدی جلدی دفن

کی تجہیز و تکفین کی۔

اس خاتون کا تابوت خاندانی تہ خانے میں رکھ دیا گیا اور تین سال تک اسے کسی نے نہ چھیڑا تین سال کے بعد اسے سنگی اور منقش تابوت میں رکھنے کے لئے کھولا گیا۔ تہ خانے کے دروازے کے پٹ کھلتے ہی (جو باہر کی طرف کو کھلتے تھے) سفید کپڑے میں لپٹی ہوئی ایک چیز شوہر کی آغوش میں آگری۔ اس کی وقت کی حالت کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس کی بیوی کا پنجر تھا۔ جو اسی طرح کفن میں ملبوس تھا جس طرح تدفین کے وقت۔

اس امر کی تحقیقات کی گئی تو یہ ظاہر ہو گیا کہ تدفین کے دو دن کے اندر جو اس نے ہاتھ پاؤں مارے تو وہ تابوت چیڑ تر سے لڑھک کر فرش پہ آگرا اور ٹوٹ گیا۔ اس طرح وہ اس میں سے باہر نکل آئی لیکن جسے لوگ تہ خانے میں بھول گئے تھے۔ اور جو اس وقت تیل سے بھرا ہوا تھا۔ خالی پایا گیا۔ اس کی توجیہہ یہ ہو سکتی تھی کہ اڑ گیا ہو گا۔ تہ خانے کی سب سے اونچی سیڑھی پہ تابوت کی لکڑی کا ایک بڑا سا ٹکڑا پڑا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس نے آہنی دروازے کو اس سے کھٹکھٹا کر لوگوں کی توجہ مبذول کرانی چاہی تھی۔ اسی دوران میں محض خوف و دہشت سے اس پہ غشی طاری ہو گئی یا وہ مر گئی اور گرتے میں اس کا کفن لوہے کی کسی کیل وغیرہ میں پھنس کر رہ گیا۔ اس طرح وہ کھڑی کی کھڑی لٹک کر رہ گئی۔ اور اس کا جسم گل سڑ گیا۔

سنہ ۱۸۱۰ء میں زندہ تدفین کا ایک واقعہ فرانس میں ہوا۔ اس تدفین کے حالات پر نظر کرتے ہوئے یہ بات سچ ماننی پڑتی ہے کہ حقیقت افسانے سے زیادہ دلچسپ ہوتی ہے۔ اس واقعے کی ہیروئن ایک خاتون تھی جس کا نام میڈموازل

وکٹورین لیفورکیڈ تھا۔ وہ ایک معزز اور دولت مند خاندان کی دوشیزہ تھی اور بلا کی حسین۔ اس سے شادی کی تمنا رکھنے والوں میں ایک صاحب بوسوے نامی تھے۔ جو ایک مفلوک الحال ادیب تھے اور پیرس میں اخبار نویسی کرتے تھے بوسوے کی لیاقت اور اطوار کی دوشیزہ گرویدہ تھی لیکن اپنی خاندانی عظمت کے خیال سے اس نے آخر اسے چھوڑ کر ایک ساہوکار موسیو رنیل سے شادی کر لی جس کا سفارتی حلقوں میں بھی کچھ نام تھا۔ شادی کے بعد ان صاحب نے اپنی بیوی سے بے اعتنائی برتنی شروع کی بلکہ ممکن ہے بدسلوکی بھی اختیار کی ہو۔ چند سال کی ناخوشگوار رفاقت کے بعد بیوی کا انتقال ہو گیا ـــــ کم سے کم ظاہری علامات دیکھ کر سب نے یہی سمجھا کہ وہ مر گئی۔ اسے دفن کر دیا گیا ـــــ کسی تہ خانے میں نہیں بلکہ اس کے وطن کے گاؤں میں ایک عام قبر میں۔ عاشق نامراد کو یہ خبر سن کر بہت غم ہوا اس کے دل میں پرانی محبت کا شعلہ ابھی سرد نہیں ہوا تھا چنانچہ وہ پیرس سے اسی دور افتادہ گاؤں کو روانہ ہو گیا۔ اس رومانی ارادے کے ساتھ کہ وہ اسے قبر سے نکال کر اس کے گیسو کاٹ کر اپنے پاس یادگار کے طور پر رکھے گا ـــــ وہ قبر پر پہنچا۔ آدھی رات کو اس نے قبر سے تابوت نکالا اسے کھولا اور اس کے بالوں کی لٹ کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے اپنی محبوبہ کی آنکھیں باز ہوتی دکھائی دیں حقیقت یہ تھی کہ وہ خاتون زندہ دفن کر دی گئی تھی۔ اس سے زندگی مکمل طور پر رخصت نہ ہوئی تھی۔ اب جو اس کے عاشق نے اسے پیار سے گلے لگایا اور چوما تو وہ اس عالم بے ہوشی سے بیدار ہوئی جسے موت سمجھ لیا گیا تھا۔ وہ اسے بے تابانہ اٹھا کر گاؤں میں اپنے گھر لے گیا۔ وہاں اس نے قابل اور تجربہ کار ڈاکٹروں کی تجویز کردہ

طاقت بحال کرنے کی دوائیں اس پر آزمائیں۔ آخر وہ ہوش میں آگئی اور اس نے اپنے محسن کو پہچان لیا۔ وہ اسی کے ساتھ رہی حتیٰ کہ رفتہ رفتہ وہ بالکل تندرست ہوگئی۔ آخر عورت کا دل تھا۔ اگرچہ سخت بھی تھا تو عاشق کی محبت کے اس آخری مظاہرے نے اسے نرم کر دیا۔ اس نے اپنی محبت بوسوے کو بخش دی۔ اب وہ اپنے شوہر کے گھر واپس نہ گئی بلکہ اپنی حیات نو کے راز کو اس سے پوشیدہ رکھ کر اپنے عاشق کے ساتھ امریکہ چلی گئی۔ بیس سال کے بعد دونوں فرانس پہنچے اتنی مدت میں اس خاتون کا چہرہ مہرہ بہت کچھ بدل گیا تھا کہ اب اسے کوئی پہچان نہ پائے گا۔ لیکن وہ غلطی پر تھے۔ کیونکہ موسیو رنیل نے پہلی ہی ملاقات میں اس خاتون کو پہچان لیا اور اس پر اپنا حق جتایا۔ خاتون نے اس حق سے انکار کیا اور عدالت نے اس کی تائید کی۔ عدالت کا فیصلہ یہ تھا کہ حالات پیش آمدہ اور ابتداء زمانہ سے اس خاتون پر شوہر کا حق اخلاقاً ہی نہیں قانوناً بھی ساقط ہو گیا ہے

لیپزگ کے رسالے "چیاٹر ڈیکل جرنل" نے جو بہت سنجیدہ اور متشدد پرچہ ہیں سے ہے۔ اپنے ایک تازہ شمارے میں اسی نوعیت کا ایک واقعہ شائع کیا ہے جو بہت حیران کن ہے۔

توپ خانے کا ایک افسر جو بہت بالا اور تنومند آدمی تھا ایک سرکش گھوڑے سے نیچے گر پڑا جس سے دماغ پر زبردست چوٹ آئی اور وہ فوراً بے ہوش ہو گیا اس کی کھوپڑی ضرور کسی قدر پچک گئی تھی لیکن فوری خطرہ کوئی نہ تھا۔ تربان سے اس کی کھوپڑی میں شگاف کر کے خون باہر نکالا گیا اور دوسرے طریقے بھی موقع محل کی مناسبت سے استعمال کئے گئے لیکن بتدریج اس کی حالت بگڑتی ہی گئی۔ اور

آنکھیں دہ اس طرح ٹھنڈا ہو گیا کہ اسے مردہ سمجھ لیا گیا۔
موسم گرم تھا اور اسے عجلت میں ایک عام قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔
اس کی تجہیز و تکفین کی رسوم جمعرات کے روز ادا ہوئیں۔ اتوار کے روز حسب معمول قبرستان میں لوگوں کی بہت بھیڑ تھی۔ یکایک دہقانی نے یہ اعلان کرکے سب میں سنسنی پھیلا دی کہ میں نے اس افسر کی قبر پہ بیٹھے بیٹھے اس طرح کی ہلچل محسوس کی ہے جیسے کوئی شخص باہر نکلنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہو۔ شروع شروع میں اس دہقانی کی بات پر کسی نے کان نہ دھرا لیکن یہ دیکھ کر کہ اس کے چہرے پہ دہشت کے آثار نمایاں ہیں، اور وہ اپنے بیان کی صداقت پر بری طرح اڑا ہوا ہے۔ لوگوں پہ قدرتاً کچھ اثر ہوا جلد جلد پھاوڑے لائے گئے اور قبر کو جو دفن کرنے والوں نے جلدی میں زیادہ گہری نہیں بنائی تھی —— اس قدر کھول دیا گیا کہ مردے کا سر نظر آنے لگا۔ وہ اس وقت مردہ ہی معلوم ہوتا تھا لیکن تابوت میں سیدھا بیٹھا تھا اور زور کرکے تابوت کے ایک ڈھکنے کا ایک حصہ اس نے اوپر اٹھا دیا تھا۔

اسے فوراً قریب ترین ہسپتال میں پہنچا دیا گیا۔ ڈاکٹروں نے فیصلہ دیا کہ وہ زندہ ہے۔

چند گھنٹے بعد اسے ہوش آگیا۔ اس نے بعض لوگوں کو پہچان لیا اور ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں قبر کے عذاب کی داستان سنائی۔

اس نے جو داستان بیان کی اس سے معلوم ہوا کہ زمین کے نیچے ایک گھنٹے سے زیادہ تک وہ ہوش کے عالم میں دبا رہا۔ اس کے بعد وہ بارہ بے ہوش ہو گیا

قبر میں جلدی میں جو مٹی ڈال دی گئی تھی وہ بہت مسام دار قسم کی تھی اس میں سے کچھ نہ کچھ ہوا گزر کے آتی رہی۔ اس نے اوپر لوگوں کے قدموں کی آہٹ سنی تو کوشش کی کہ انھیں اپنی حالت سے باخبر کرے۔ اس نے کہا کہ قبرستان کے اندر لوگوں کی آوازوں اور شور نے مجھے نیند سے چونکا دیا۔ لیکن بیدار ہوتے ہی مجھے ایک دم احساس ہو گیا کہ میں کس خوفناک جگہ پہنچ گیا ہوں

اس رسالے نے لکھا ہے کہ یہ شخص پرانا بہ تندرست ہو رہا تھا لیکن ڈاکٹروں کے طبی تجربوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔ انھوں نے بجلی کا علاج شروع کر دیا یہی کے علاج سے بعض اوقات جو دورے پڑتے ہیں۔ انہی میں وہ غریب ختم ہو گیا۔

بجلی کے علاج سے مجھے اسی نوعیت کا ایک مشہور اور غیر معمولی کیس یاد آگیا جس میں بجلی کے استعمال سے لندن کے ایک نوجوان وکیل کو جو دو دن سے دفن تھا دوبارہ زندگی مل گئی۔ یہ ۱۹۳۱ء کی بات ہے اس وقت اس کا بہت چرچا ہوا تھا ---- اور بڑی سنسنی پھیلی تھی۔ قصہ یہ ہے کہ مذکورہ وکیل کا نام مسٹر ایڈورڈ اسپلی ٹن تھا نفس بخار کے عارضے سے (بظاہر) انتقال کر گئے لیکن بعض علامات اس عارضے کی علامات سے متضاد بھی تھیں جس پر ڈاکٹروں کو بڑا تعجب ہوا تھا۔ اس کی موت پر اس کے دوستوں سے درخواست کی گئی کہ وہ اس کے پوسٹ مارٹم کی اجازت دے دیں لیکن انھوں نے اجازت نہ دی۔ اگر مریض یا دوست اجازت نہ دیں تو بالعموم ایسا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اپنے طور پر لاش کو قبر سے نکلوا کر اطمینان سے پوشیدہ طور پر اس کی چیر پھاڑ کرتے ہیں۔ قبرستان سے مردے نکالنے والوں کی ٹولیاں لندن میں عام ہیں ان میں سے ایک سے معاملہ کر کے

تدفین کے تیسرے روز لاش کو آٹھ فٹ گہری قبر سے نکالا گیا۔ اور ایک پرائیویٹ ہسپتال کے آپریشن کے کمرے میں لٹا دیا گیا۔

معدے میں ایک شگاف دے دیا گیا تھا کہ ڈاکٹروں کو لاش بالکل تازہ حالت میں دیکھ بجلی کی بیٹری کے استعمال کا خیال آیا۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا تجربہ کیا گیا لیکن کوئی خاص فرق پیدا نہ ہوا۔ سوائے اس کے کہ ایک دو بار لاش میں ایسی کپکپی سی پیدا ہوئی جس میں زندگی سے بہت کچھ مشابہت تھی۔

ان تجربوں میں کافی دیر ہو گئی اور اب دن نکلنے کو تھا۔ آخر مناسب یہ سمجھا گیا کہ عمل جراحی فوراً شروع کر دیا جائے۔ تاہم ایک طالب علم اپنا ایک نظریہ ضرور آزمانا چاہتا تھا۔ اس کو اصرار تھا کہ بیٹری سینے کی ایک نس پر آزمائی جائے۔ جلدی سے ایک چرکا دیا گیا اور ایک تار اس کے ساتھ لگا دیا گیا۔ مریض یکایک بڑے سکون کے ساتھ میز سے اٹھا اور کمرے کے وسط میں جا کر کھڑا ہوا۔ وہ کئی لمحے تک مضطربانہ اپنے گرد و پیش دیکھتا رہا۔ اور اس کے بعد ——— بولا۔ اس نے کیا کہا ——— یہ سمجھ میں نہ آ سکا۔ لیکن اس نے کچھ الفاظ کہے ضرور ——— جس سے الفاظ کی ادائیگی واضح طور پر ہوئی۔ اس کے بعد وہ دھڑام سے فرش پر گر گیا۔

کئی لمحے تک وہ لوگ دہشت سے سُن ——— کھڑے کے کھڑے رہ گئے لیکن معاملہ اتنا سنگین تھا کہ انھوں نے اپنے کو جلدی سے سنبھالا۔ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اسپیلی ٹن ابھی زندہ ہے۔ لیکن غشی طاری ہے۔ ایتھر سنگھا کر اسے ہوش میں لایا گیا۔ جب اس حالت کے عود کر آنے کا اندیشہ نہ رہا تو اسے اس کے

دوستوں کے حوالے کر دیا گیا جن سے اس کے دوبارہ جی اٹھنے کی خبر اس وقت تک چھپا رکھی گئی تھی۔ ان لوگوں کی اس وقت کی حیرت اور بے خودی کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔

ہوش میں آنے پر اپنے کو عمل جراحی کے کمرے میں دیکھ کر اس نے جو الفاظ ادا کرنے کی کوشش کی تھی اور جو کسی کی سمجھ میں نہ آ سکے تھے۔ وہ تھے "میں زندہ ہوں"

اس قسم کی بہت سی مثالیں بیان کی جا سکتی ہیں لیکن میں انہی پر اکتفا کروں گا کیونکہ یہ امر ثبوت کا محتاج نہیں کہ زندہ لوگوں کی تدفین، ایک واقعہ ہے کبھی کبھی ہمیں اس کا پتا چل جاتا ہے ورنہ اکثر صورتوں میں تو ہمیں اس کی خبر کی بھی نہیں ہو پاتی جہاں کسی قبرستان کی بہت سی قبروں کو کسی مقصد سے کھولا گیا کچھ مردوں کے ڈھانچے ضرور ایسی صورت میں ملے جن سے ہمارے خوفناک اندیشوں کی تصدیق ہوئی۔

اندیشے تو خوفناک ہیں ہی۔ لیکن زندہ دفن ہونے والے پر جو کیفیت گزرتی ہے وہ خوفناک تر ہوتی ہے۔ ہم یہ بات بلا جھجک کہہ سکتے ہیں کہ زندہ دفن ہونے سے بڑا کوئی اور جسمانی اور ذہنی عذاب نہیں ہو سکتا۔ چھٹروں پر ناقابل برداشت دباؤ پڑ رہا ہے ـــ مرطوب زمین سے دم گھونٹ دینے والے انجرات اٹھ رہے ہیں ـــ انسان موت کے کفن میں لپٹا پڑا ہے ـــ تنگ و تاریک لحد کی چھت چھاتی پر دھری ہے۔ گھٹا ٹوپ سیاہی کا عالم ہے ـــ بے پناہ خاموشی کا سماں ہے قبر کا کیڑا نظر نہیں آتا لیکن اس کی موجودگی محسوس ہو رہی ہے۔ یہ ساری باتیں احساس کے ساتھ یہ احساس کہ قبر کے باہر ہوا ہے۔ سبزہ ہے وہ عزیز

دوست ہیں جن کو ایک بار اس حالت کی خبر مل جائے تو بچانے کے لئے دوڑے آئیں ——— پھر یہ احساسِ بے بسی کہ ان کو کبھی اس عالم کی خبر نہیں ملے گی اور ہم سچ مچ کے مردوں میں شامل ہو جائیں گے۔ یہ سوچ کر انسان کا دل جو برابر دھڑک رہا ہوتا ہے۔ ایسے بے پناہ اور ناقابل برداشت خوف و دہشت کا شکار ہوتا ہے جس کے

تصور کی بھی کسی میں تاب نہیں۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ دنیا میں اس سے زیادہ اذیت ناک کوئی کیفیت ہو سکتی ہے۔ اسفل ترین جہنم میں بھی اس قسم کا کوئی عذاب نہ ہوگا۔ اس قسم کے واقعات اور داستانوں میں جو اس قدر دلچسپی لوگ لیتے ہیں۔ اس کی وجہ ایک تو خود موضوع کی مقدس ہیبت ہے لیکن اس کا بہت کچھ انحصار بجا طور پر سننے والوں کے اس اعتقاد پر بھی ہے کہ وہ جو کچھ سن رہے ہیں صداقت پر مبنی ہے جو روداد میں آپ کو سنانے والا ہوں وہ میرے اپنے علم اور تجربے پر مبنی ہے ——— وہ خود مجھ پر بیتی ہے۔

تیئس برس تک مجھ پر ایک ایسے عجیب و غریب مرض کے دورے پڑتے رہے ہیں۔ جس کا نام ڈاکٹروں کے اور کچھ سمجھ میں نہ آیا تو سکتہ رکھ دیا۔ اگرچہ یہ بات ابھی تک تحقیق نہیں ہو سکی کہ اس مرض کے فوری اور مزاجی وجوہ کیا ہیں بلکہ اس کی تشخیص تک قطعیت سے نہیں ہو سکی تاہم اس کی ظاہری علامات سے لوگ بخوبی واقف ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس مرض کی مختلف صورتوں میں فرق زیادہ تر درجے کا ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس کا مریض ایک دن بلکہ

اس سے بھی کم مدت تک ساکت پڑا رہتا ہے اور اس کی کیفیت گہری غنودگی کی ہوتی ہے۔ اس کے محسوسات معطل ہو جاتے ہیں اور بظاہر وہ بے حس و حرکت دکھائی دیتا ہے لیکن اس کے دل کی دھڑکن مدھم طور پر محسوس ہوتی ہے جسم کی حرارت بھی کسی قدر باقی رہتی ہے اور رخساروں میں رنگ کا ایک شائبہ بھی۔ اگر ایسے میں آئینہ مریض کے ہونٹوں کے پاس لے جائیں تو سانس کی ایک خوابیدہ، بے قاعدہ اور اکھڑی اکھڑی سی آمد و شد بھی معلوم ہوتی ہے بعض صورتوں میں دورے کی مدت ہفتوں تک بلکہ مہینوں تک دراز ہو سکتی ہے اور نہایت احتیاط سے دیکھنے اور ڈاکٹروں کے سختی سے جانچنے کے باوجود مریض کی اس حالت اور موت کی کیفیت کے درمیان کوئی خاص فرق نظر نہیں آیا۔ اگر وہ زندہ دفن ہونے سے بچ جاتا ہے تو ---------- اس کی وجہ عام طور پر یہ ہوتی ہے کہ اس کے دوستوں کو اس کی بیماری کا علم ہوتا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ اس کو پہلے بھی دورہ پڑتا رہا ہے۔ اسی وجہ سے ان کو برابر شبہ رہتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جسم سڑنا شروع نہیں ہو جاتا۔ خوش قسمتی سے اس مرض کے دوروں کا امتداد بتدریج بڑھتا ہے۔ اگرچہ اس کی اولین علامات سے بھی مرض کا پتا چل جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد تو دورے بتدریج شدید سے شدید تر ہوتے جاتے ہیں۔ محض اس علامت کو جاننے کی وجہ سے لوگ مسکتے کے ایسے مریض کو دفن نہیں کرتے۔ ہاں اگر کسی بدقسمت کا پہلا دورہ ہی انتہائی نوعیت کا ہو ---- تو اس کا قبر میں جیتے جی دفن ہونا قریب قریب یقینی ہے۔

ڈاکٹری کی کتابوں میں سکتے کی جن علامات کا ذکر ملتا ہے، میری علامات ان

سے چنداں مختلف نہ تھیں۔ بعض اوقات بلا کسی ظاہری وجہ کے مجھ پر نیم غشی کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ اور اس عالم میں میں دوبارہ ہوش میں آنے تک بستر پر بے حس و حرکت پڑا رہتا تھا۔ مجھے نہ درد محسوس ہوتا تھا نہ میں ہل جل سکتا تھا نہ بول سکتا تھا۔ حتیٰ کہ سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ ہاں زندگی کا ایک ہلکا سا، نامعلوم سا احساس ضرور رہتا تھا۔ بعض اوقات مجھ پر بہت دورہ پڑتا تھا اور شدید دورہ پڑتا تھا۔ میرا دل بیٹھ جاتا تھا۔ سر گھومتا تھا۔ جسم ٹھنڈا پڑ جاتا تھا۔ اور میں زمین پر یک لخت گر جاتا تھا۔ اس کے بعد ہفتوں دنیا و فیہا کی خبر نہ رہتی تھی۔ ہر سمت تاریکی ہر طرف خاموشی۔ اس میں اور واقعی موت میں کیا فرق ہو سکتا ہے اس قسم کا دورہ پڑتا تو فوراً تھا لیکن زائل رفتہ رفتہ ہوتا تھا۔ بالکل اسی طریق جیسے اس بے یار و مددگار اور بے خانماں گداگر کو دن طلوع ہونا دکھائی دے جو سرما کی طویل اور ویران رات میں شہر کی گلیوں میں گھومتا رہا ہو ——— بالکل اسی طرح آہستہ آہستہ ——— تھکن سے چور ——— میرے جسم میں روح کی [illegible] روشنی کا خوش آئندہ طلوع ہوتا ہے۔

دورہ مجھے پڑتا لیکن عام صحت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ میں خود تصور نہیں کر سکتا تھا کہ میں اس قسم کے مرض کا شکار ہو سکتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ عام نیند کے بعد میری کیفیت عجیب سی ہوتی تھی۔ نیند سے جاگنے کے بعد میں فوراً ہی پوری طرح ہوش میں نہیں آجاتا تھا۔ بلکہ کئی منٹ تک بالکل کھویا رہتا تھا ——— میرے ذہن کا عمل ——— بالخصوص یادداشت کلیتہً معطل ہو جاتی تھی۔

اس عالم میں مجھے جسمانی تکلیف تو کچھ نہ ہوتی تھی، ہاں ذہنی انتشار بے حد ہوتا تھا۔ میرے خیالات ایک طرح کا مُردہ گھاٹ بن جاتے تھے۔ میں بات کرتا تھا تو قبر کے کیڑوں کی، مقبروں کی، کفنوں کی، اور سوچتا تھا تو موت کی۔ قبل از مرگ تدفین کی مجھ پر یہ خوفناک اندیشہ دن رات سوار رہتا تھا۔ یوں تو موت کا خیال بھی بہت اذیت کا باعث ہوتا ہے لیکن قبل از مرگ دفن ہونے کا کرب تو ناقابل بیان ہے۔ جب اداس تاریکی ساری دھرتی پر چھا جاتی تھی تو میں آپ ہی آپ کچھ سے کچھ سوچ کر دہشت سے کانپنے لگتا تھا جیسے تابوت بردار گاڑی کے اوپر آرائشی پر کانپتے ہیں۔ مجھے نیند سے خوف آتا تھا۔ جب میری طبیعت بیداری کی مزید متحمل نہ ہو سکتی تھی تو طوعاً و کرہاً میں سوتا تھا ــــ طوعاً و کرہاً اس لئے کہ مجھ پر اس خیال کی دہشت سوار رہتی تھی کہ ایسا نہ ہو جاگنے پر میں اپنے کو جاگنے پر میں اپنے کو قبر میں پاؤں۔ اور جب خدا خدا کر کے مجھے نیند آجاتی تھی تو میں خوفناک توہماتی پیکروں کی دنیا میں جا نکلتا تھا۔ وہ دنیا جس پر اسی ایک آسیبی اور ہولناک خیال کا سایہ اپنے بڑے بڑے سیاہ پنکھ پھیلائے مسلط رہتا ہے۔

خوابوں میں مجھے جن ان گنت تاریک تصورات کا شکار رہنا پڑتا تھا یہاں میں ان میں سے صرف ایک کی روداد بیان کروں گا۔ میرے خیال مجھ پر سکتے کا غیر معمولی طور پر طویل اور شدید دورہ پڑا تھا۔ یکایک ایک ہاتھ نے جو برف کی طرح ٹھنڈا تھا، میری پیشانی کو چھوا اور اس کے ساتھ ہی بڑے تیز لہجے میں ایک لفظ میرے کانوں میں پڑا ــــ "اٹھو"

میں اٹھ کر سیدھا بیٹھ گیا گھٹا ٹوپ تاریکی کا عالم تھا۔ مجھے اس ہستی کی شکل

نظر نہ آرہی تھی جس نے مجھے اٹھایا تھا۔ نہ مجھے یہ یاد آرہا تھا کہ مجھ پہ کس وقت دورہ پڑا تھا۔ نہ یہ کہ یہ کونسی جگہ ہے۔ میں ابھی یونہی بے حس و حرکت بیٹھا تھا اور اپنے خیالات کو مجتمع کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسی سرد ہاتھ نے میری کلائی کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور درشتی سے اسے جھنجوڑ دیا۔ ادھر اسی تیز لہجے میں پھر یہ الفاظ میرے کانوں میں آئے۔

"اٹھو ــــ میں کیا ہوں اٹھو۔"

"تم کون ہو" میں نے پوچھا۔

"جس دنیا میں رہتا ہوں اس میں میرا کوئی نام نہیں" اس آواز نے ماتمی لہجے میں جواب دیا "پہلے میں انسان تھا۔ اب بھوت پریت ہوں۔ پہلے میں بے رحم تھا اب واجب الرحم ہوں۔ تم خود محسوس کر سکتے ہو کہ میں کانپ رہا ہوں۔ میں بولتا ہوں تو میرے دانت بج اٹھتے ہیں ــــ لیکن اس کی وجہ اس رات اس لامتناہی رات کی خنکی نہیں۔ میری یہ وحشت ناقابل برداشت ہے۔ تم کیسے سکون کی نیند سو لیتے ہو۔ میں تو دور کے کرب سے لبریز یہ چیخیں سن کر سو نہیں سکتا۔ مجھے جو کچھ نظر آرہا ہے اس کے دیکھنے کی مجھ میں تاب نہیں۔ اٹھو۔ اٹھ کر میرے ساتھ باہر کی اس رات میں گھومو۔ میں تمہیں قبریں دکھاؤں۔ دیکھو تو کتنا چہ درد نظارہ ہے۔ دیکھو تو"

میں نے دیکھا۔ کہ اس غیر مرئی ہستی نے جو ابھی تک میرا بازو پکڑے ہوئے تھی ــــ بنی نوع انسان کی تمام قبریں کھول ڈالی تھیں۔ ہر ایک قبر میں ہڈیوں کے فاسفورس کی دھندلی جوت جگمگا رہی تھی جس کی وجہ سے میں اس کے اندرونی گوشوں

تک کو بخوبی دیکھ سکتا تھا جہاں کفن میں لپٹے ہوئے انسان ابدی نیند میں مست پڑے تھے۔ اور ان کا ساتھی قبر کے کیڑے کے سوا کوئی نہ تھا۔ لیکن افسوس کہ وہ لوگ جو واقعی خوابیدہ تھے۔ ان لوگوں کے مقابلے میں کروڑوں کی تعداد میں کم تھے جن کو نیند نصیب نہ تھی، وہ اضطراب اور بے چینی کا شکار تھے۔ بیچ و تاب کھاتے تھے۔ اور لاتعداد قبروں کے سینوں میں سے مدفون جسموں کے لباسوں کی اداس سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ اور جو لوگ سکون کی نیند میں مست نظر آتے تھے میں نے دیکھا کہ ان میں سے بہت سے ایسے تھے جن کے جسموں کی وہ اکڑاہٹ اور تشنج کی سی کیفیت جو تدفین کے وقت تھی۔ بہت کچھ بدل گئی تھی۔ میں یہ نظارہ دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ آواز پھر مجھ سے مخاطب ہوئی۔

۲۰۵۵۹

"دیکھو تو کتنا اندوہناک منظر ہے۔" لیکن پیشتر اس کے کہ مجھے جواب کے لئے الفاظ مل سکتے اس ہستی نے میری کلائی چھوڑ دی۔ قبروں کی وہ جوت بھی غائب ہو گئی اور یکایک ان کے پٹ زور سے بند ہو گئے۔ لیکن اس وقت ان کے بطون سے مایوس کراہوں کا ایک طوفان اٹھا۔ اور پھر آواز آئی

۱۳۹
۷۲

"خداوندا، کتنا اندوہناک منظر ہے۔"

اس قسم کے پریشان خواب راتوں کا سکون تو برباد کرتے ہی تھے بیداری کی ساعتوں میں بھی میرا پیچھا نہ چھوڑتے تھے۔ میرے اعصاب بالکل ناکارہ ہو گئے اور میں خوف و دہشت کا مستقل مریض بن گیا۔ میں گھوڑے پر سوار ہو کر یا پیدل سیر و تفریح یا ورزش کی غرض سے گھر سے زیادہ دور جاتے ہوئے

ڈرتا تھا۔ فی الحقیقت میں ان لوگوں کی نظر سے اوجھل ہوتے ہوئے ڈرتا تھا جن کو میرے مرض کا علم تھا مبادا کوئی ناواقف شخص مجھے سکتے کے دورے میں پاکر مردہ سمجھ لے اور حقیقت حال معلوم ہونے سے پہلے دفن کر دے مجھے اپنے عزیز سے عزیز دوستوں کی نگہداشت اور وفاداری پر بھی بھروسہ نہ تھا۔ میں ڈرتا تھا کہ کوئی دورہ معمول سے زیادہ طوالت نہ کھینچ جائے اور وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں واقعی مر گیا ہوں مجھے یہ اندیشہ تک پیدا ہو گیا تھا کہ میری وجہ سے ان کو جو اتنی تکلیف پہنچتی ہے اس کی وجہ سے وہ کسی بہت طویل دورے کو مجھ سے چھٹکارا پانے کے لئے کافی عذر نہ سمجھ لیں۔ وہ بے کار بڑی بڑی قسمیں کھا کر اور حلفیہ کر کے مجھے اطمینان دلانے کی کوشش کرتے تھے کہ مجھے اس وقت تک دفن نہ کریں گے جب تک میرا جسم اس حد تک گل سڑ نہ جائے کہ اسے محفوظ رکھنا ناممکن ہو جائے۔ پھر بھی موت کی دہشت مجھ پر اس بری طرح مسلط تھی کہ ان کی باتوں سے میرا اطمینان نہ ہوتا تھا۔ میں نے اسی خوف سے بڑی بڑی پیش بندیاں کر لیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ خاندانی تہ خانے کا دروازہ ایسا بنوایا کہ اندر کی طرف سے آسانی سے کھل سکے۔ ایک لمبی سلاخ ایسی لگوائی جو قبر کے اندر کافی دور تک چلی گئی تھی اس پر ذرا سا دباؤ پڑتے ہی تہ خانے کے آہنی پٹ فوراً کھل جاتے۔ اس امر کا انتظام بھی کیا گیا کہ روشنی اور ہوا برابر آتی رہے۔ اپنے لئے میں نے جو تابوت بنوایا اس کے بالکل قریب خوراک اور پانی کا ذخیرہ رکھنے کا بھی انتظام کیا۔ تابوت کے اندر نرم اور گرم گدے لگوائے اور تابوت کا ڈھکنا بھی تہ خانے کے دروازے ہی کے اصول پر بنوایا اس کے علاوہ اس میں ایسے

اسپرنگ لگوائے کہ جسم کی ذرا سی جنبش سے ڈھکنے کے پٹ کھل جائیں مقبرت کی چھت سے ایک بڑا گھنٹہ لٹکا دیا گیا جس کی رسّی ایک سوراخ میں سے تابوت کے اندر گزار دی گئی تھی۔ تاکہ میرے ہاتھ سے باندھی جائے لیکن افسوس کہ انسان کی قسمت کا لکھا ہو کر رہتا ہے اور سب احتیاطیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں یہ سارے انتظامات مجھے زندہ درگور ہونے کے عذاب سے نہ بچا سکے کیونکہ یہ عذاب الیم میرے لئے مقدر ہو چکا تھا۔

ایک موقع پھر ایسا آیا کہ میں نے اپنے کو بے حسی اور بے ہوشی کے دائرے سے نکل کر زندگی کے خفیف اور مبہم سے احساس کے حلقے میں قدم رکھتے ہوئے پایا۔ بہت آہستہ، کچھوے کی رفتار سے، میرے حواس کچھ کچھ بیدار ہونے شروع ہوئے ایک خوابیدہ سا اضطراب۔ ایک مدھم سے درد کا لئے پر ذرا احساس۔ نہ کوئی فکر، نہ کوئی امید، نہ کوئی سعی و کوشش۔ پھر ایک طویل وقفے کے بعد کانوں میں ایک گھنٹی کی سی آواز۔۔۔ پھر تعطل کا ایک طویل تر وقفہ۔ پھر ایڑی سے چوٹی تک ایک سنسناہٹ پھر لذت آگیں خوابیدگی اور سکون کا ایک وقفہ مدید جو ابدی معلوم ہوتا ہے اور جس میں بیدار ہوتی ہوئی حسین خیال کا روپ پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ پھر ایک مختصر سا وقفہ جس میں سب احساسات زائل ہو جاتے ہیں پھر یکایک جو اس کی واپسی۔ آخر کار ایک آنکھ کے پپوٹے کی خفیف سی لرزش اور اس کے ساتھ ہی فوراً بجلی کے جھٹکے کی طرح بے پایاں خوف و ہراس کا تمدن میں سے سارا جسم سن ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب سوچنے سمجھنے کی پہلی باقاعدہ کوشش اور اب کچھ یاد کرنے کی اولین سعی، اس میں جزوی طور پر اور عارضی طور پر کامیابی

اب یادداشت اس حد تک عود کر آتی ہے کہ مجھے اپنی حالت کا کچھ کچھ احساس ہو رہا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں معمولی نیند سے بیدار نہیں ہو رہا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ مجھ پر سکتے کا دورہ پڑا ہے۔ اور پھر یکایک جیسے سمندر امڈ آتا ہے میری ہراس خوردہ روح پر وہی مہیب خطرہ غالب آجاتا ہے۔ وہی آسیبی خطرہ جو ہر وقت ذہن میں مستور رہتا ہے۔

اس کے بعد چند منٹ تک میں یونہی خیالوں اور واہموں میں گرفتار رہا۔ میں لاش کی طرح بے حس و حرکت پڑا رہا۔ کیوں؟ مجھ میں جنبش کرنے کی ہمت نہ تھی، مجھ میں کسی حرکت کا حوصلہ نہ تھا جس سے میرا اطمینان ہو سکتا کہ کس عالم میں ہوں۔ تاہم میرے دل میں کوئی کہہ رہا تھا کہ شدنی ہو کے رہی ہے۔ آخر بے بسی سے مجبور ہو کر ——— اس حد درجہ بے بسی سے مجبور ہو کر جو اور کسی ابتلا میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ میں نے بہت دیر کے تامل اور ہچکچاہٹ کے بعد اپنی آنکھوں کی بھاری پلکیں اوپر اٹھائیں۔ سامنے تاریکی تھی ——— بے پناہ تاریکی۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ دورے کی مدت ختم ہو چکی ہے اور سکتے کا زور ختم ہو چکا ہے۔ مجھے احساس تھا کہ اب میں اپنی آنکھوں سے کام لے سکتا ہوں لیکن وہاں تو تاریکی تھی ——— اتھاہ تاریکی۔ رات کی وہ ابدی تاریکی جس میں روشنی کی کسی کرن کا گزر نہیں

میں نے چیخ مارنے کی کوشش کی اور میرے ہونٹ اور میری سوکھی ہوئی زبان اس کے لیے ایکا ایکی متحرک ہو گئے لیکن پھیپھڑوں سے کوئی آواز نہ نکلی ——— ہر کوشش پر جہاں دل دھک دھک کر اٹھتا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی اس طرح ہانپ اٹھتا

کانپ اٹھتے تھے جیسے کسی بھاری چٹان کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہوں۔
جب بڑوں کے ہلنے پہ معلوم ہوا کہ وہ اس طرح بندھے ہوئے تھے۔ جیسے عموماً مُردوں کے باندھ دیئے جاتے ہیں۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ میں کسی سخت چیز پہ لیٹا ہوں اور دونوں پہلوؤں پہ بھی بالکل قریب ایسی ہی دیواریں سی ہیں۔ اب تک میں نے اپنے اعضا کو حرکت دینے کی کوئی کوشش نہ کی تھی۔ میرے ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور وہ سیدھے پڑے تھے اب میں نے بے اختیار انہیں ادھر اُدھر ٹیکا تو وہ لکڑی کے ایک تختے سے جا ٹکرائے جو میرے جسم کے کوئی چھ انچ اوپر واقع تھا۔ اب مجھے اس امر میں کوئی شبہ نہ رہا کہ میں تابوت میں بند ہوں۔

آخر اس مصیبت اور مایوسی کے عالم میں فرشتہ امید کا روشن چہرہ نظر آیا۔ مجھے یاد آیا کہ میں نے احتیاطاً کچھ انتظامات کر لئے تھے۔ میں نے اپنا پورا زور لگا کر ڈھکنا کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر گھنٹی کی رسی تلاش کی۔ وہ بھی نہ ملی۔ اب امید نے بالکل ساتھ چھوڑ دیا اور مایوسی اور گہری ہو گئی۔ کیونکہ میں نے یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنے تابوت میں جو نرم گدے اور تکیے وغیرہ لگوائے تھے وہ بھی نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی نم دار مٹی کی خاص قسم کی خوشبو میرے نتھنوں میں آئی۔ اس کا مطلب سوائے اس کے کیا ہو سکتا تھا کہ میں خاندانی قبرستان میں نہیں بلکہ کہیں گھر سے دور مرض کا دورہ پڑا اور اجنبی لوگوں نے جھٹ پٹ مجھے عام قسم کے کسی تابوت میں بند کر کے کسی معمولی قسم کی بے نام قبر میں گہرا بہت گہرا

دفن کر دیا۔ کب اور کیسے ؟ یہ مجھے دفن کر دیا۔ کب اور کیسے ؟ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔
یہ خوفناک احساس میری روح کی گہرائیوں میں سرایت کر گیا۔ میں نے پھر چیخنے کی کوشش کی ! ذرا سی کے اس کوشش میں کامیاب رہا۔ ایک لمبی زوردار چیخ میرے گلے سے نکلی اور اس زمین دوز شب کی پنہائیوں میں گونج گئی

"ہلو — ہلو۔ کون ہے" ایک دہشت آواز کان میں آئی۔

اب یہ کیا ادھم مچا رکھا ہے دوسری آواز سنائی دی۔

"نکلو باہر" کسی تیسرے شخص نے کہا۔

"کیوں پلے کی طرح چلا رہے ہو" ایک چوتھی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی گنوار سے لوگوں نے مجھے جھنجوڑ کر باہر نکالا۔

انھوں نے مجھے نیند سے نہیں جگایا کیونکہ جب سے ہوش سنبھالا ہوں۔ اس وقت بخوبی جاگ رہا تھا ——— البتہ ان کی کاوش سے میری یادداشت بحال ہو گئی۔

یہ واقعہ ریچمنڈ میں رچمنڈ کے مقام پر ہوا۔ میں ایک دوست کے ہمراہ وہاں سے چند میل دور دریائے جیمس کے کنارے شکار کھیلنے نکل گیا تھا رات ہو گئی اور یکایک طوفان نے ہمیں آلیا۔ ندی میں ایک چھوٹی مستولی کشتی لنگر ڈالے کھڑی تھی۔ جس میں باغ میں ڈالنے کی کھاد لدی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ پناہ کی کوئی جگہ نہ تھی۔ ہم نے اس کو غنیمت سمجھا اور رات اسی میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اس کشتی میں صرف دو برتھ تھے اور ساٹھ ستر ٹن کی کشتی کے برتھ جس قسم کے ہو سکتے ہیں آپ خود قیاس کر سکتے ہیں۔ جو برتھ مجھے ملا اس

پر کسی قسم کا بستر وغیرہ نہ تھا۔ اس کی چوڑائی زیادہ سے زیادہ اٹھارہ انچ تھی عرشے سے اس کی اونچائی بھی وہی قدر تھی۔ میں بڑی مشکل سے اس کے نیچے گھس کے لیٹ پایا۔ تاہم میں گہری نیند سو گیا۔ اور یہ ساری رویا جو میں نے دیکھی ـــــ کیونکہ نہ یہ خواب تھا نہ کابوس ـــ میری وقتی کیفیت کا قدرتی نتیجہ تھی ایک تو میرے خیالات کی عام افتاد ہی ایسی تھی ـــــ پھر جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں نیند سے بیدار ہونے کے بعد مجھے اپنے حواس مجتمع کرنے اور بالخصوص اپنی یادداشت بحال کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے مجھے جھنجھوڑا تھا وہ کچھ تو اس کشتی کے ملاح تھے اور کچھ مزدور جو کھاد اتارنے کے لئے رکھے گئے تھے وہ نمدار مٹی کی بو بھی کھاد کی مٹی میں سے آ رہی تھی۔ میرے جبڑے جس پٹی سے بندھے ہوئے تھے وہ دراصل ریشمی رومال تھا جسے میں نے رات کو اوڑھنے کی ۔۔۔ ٹوپی کی جگہ اپنے سر پہ باندھ لیا تھا۔

تاہم مجھے جو عذاب سہنا پڑا وہ بلاشبہ اصل توہین سے کسی طرح کم نہ تھا یہ اذیت انتہائی خوفناک تھی لیکن یہ رحمت در پردہ رحمت ثابت ہوئی۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ میری طبیعت نے بھی بیزار ہو کر پلٹا کھایا اور اب اس میں ٹھہراؤ اور توازن پیدا ہو گیا۔ میں نے کچھ وقت بیرون ملک سیاحت میں گزارا۔ خوب ورزش کرنی شروع کی۔ کھلی ہوا میں سانس لینے لگا۔ موت کے موضوع سے اپنی توجہ ہٹا کر دوسری باتوں کے متعلق سوچنا شروع کیا۔ اپنی ڈاکٹری کی کتابیں الگ پھینک دیں "بخن" کی تصانیف جلا دیں ـــــ "خیالات تشبیہ" وغیرہ کا مطالعہ ترک کر دیا۔

قبرستانوں کے متعلق فضول کہانیاں پڑھنی چھوڑ دیں۔ اور ایسے قصے بھی جیسا یہ ہے۔ مختصر یہ کہ تھوڑے ہی عرصے میں میں نے اپنا معمول بالکل بدل لیا اور آدمی کی جون میں آگیا۔ اس یادگار رات کے بعد سے میں نے قبروں اور مسانوں کے خوف دل سے ہمیشہ کے لئے نکال دیئے۔ اور میری سکتے کی بیماری بھی انہی کے ساتھ رخصت ہو گئی۔ میرے خیال میں بیماری نتیجے سے زیادہ وجہ کی حیثیت رکھتی تھی ایسے لمحات ہماری زندگی میں آتے ہیں جب عقل و ہوش کی نگاہ سے ہی یہ پُر آلام دنیا دوزخ کا نمونہ نظر آتی ہے۔ لیکن انسان کا تخیل کوئی کرانتھس نہیں ہے کہ اس لئے ہر غار میں انسان کھوج لگانے کے لئے بے خوف اتر جائے۔ قبر کے خوف کے بھوتوں کو محض وہم کی پیداوار تو نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ان عفریتوں کی طرح جن کی ہمراہی میں افراسیاب نے اوکس کا پُر آشوب سفر طے کیا تھا۔ ان کا سوئے رہنا ہی اچھا ہے ورنہ یہ ہمیں پھاڑ ڈالیں گے چبا لیں گے۔ ان کے نیند میں مست رہنے ہی میں خیر ہے۔

وہ بھولی بصورت

میرے اردلی نے مجھے شدید زخمی حالت میں رات بھر باہر کھلے
میں چھوڑنا پسند نہ کیا اور زبردستی ایک حویلی میں جا گھسا یہ حویلیاں
جن میں دھندلکے اور ہیبتناکی کیفیتیں ملی جلی ہوتی ہیں ایسی نائٹرے کے
نواحات میں پرانے وقتوں سے کھڑی ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس حویلی
کو لوگ ابھی حال میں چھوڑ کے گئے ہیں اور عارضی طور پہ ہم نے ایک چھوٹے
سے کمرے میں ڈیرہ جمایا جس میں فرنیچر کی قسم کی چیزیں بہت کم تھیں۔
یہ کمرہ عمارت کے ایک دور افتادہ برج میں واقع تھا۔ اس کے
اندر جو آرائشی نقوش تھے وہ بہت سبک اور نفیس تھے۔ لیکن بہت
پرانے زمانے کے اور خستہ حالت میں۔ دیواروں پہ پرے دے لٹک رہے
تھے اور جہاں تہاں طرح طرح کے نقاہتی نشانات آویزاں تھے۔ اس

کے علاوہ بہت نفیس قسم کی جدید روغنی تصویریں بہت بڑی تعداد میں طلائی گلکاری کے کام کے فریموں میں جڑی ہوئی تھیں۔ یہ تصویریں صرف چاروں دیواروں پر نہیں بلکہ ان کونوں اور گوشوں میں بھی لگی ہوتی تھیں جو اس حویلی کے عجیب طرز تعمیر کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے مجھ پر ہذیانی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ شاید اسی وجہ سے میں انہیں گہری دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ میں نے پیدرو سے کہا ذرا کمرے کی جھلملیاں کرا دو کیونکہ رات تو ہو ہی رہی ہے اور اس اونچے شمع دان کو جلا دو جو میرے پلنگ کے سرہانے پڑا ہے اور سیاہ مخمل کے وہ حاشیہ دار پردے بالکل کھول دو جنہوں نے بستر کو ڈھانپ رکھا ہے۔ میں نے اسے یہ احکام اس لئے دیئے کہ اگر میں سو نہ سکوں تو کم از کم ان تصویروں کو یکسوئی اور اطمینان سے دیکھتا رہوں اور اس چھوٹی سی کتاب کا مطالعہ کر سکوں جو مجھے تکیے پر پڑی ملی تھی، اور جس میں تصویروں کے متعلق معلومات درج تھیں

میں بہت دیر تک، بہت دیر تک پڑھتا رہا اور بڑے انہماک اور عقیدت سے ان تصویروں کو دیکھتا رہا۔ ساعت پر ساعت اس طرح گزرتی گئی حتیٰ کہ آدھی رات ہو گئی۔ شمع دان جہاں رکھا تھا وہاں سے کتاب پر روشنی اچھی نہ پڑ رہی تھی۔ میں نے اپنے خادم کو جگا کر بے آرام کرنے کے بجائے خود ہی تھوڑی دیر سے ہاتھ بڑھا کر اسے ایسی جگہ رکھ لیا جہاں کتاب پر روشنی پوری طرح پڑتی تھی۔

لیکن اس کا ایک غیر متوقع نتیجہ اور نکلا۔ اب متعدد شمعوں کی دشمعدان

میں کئی شمعیں تھیں) روشنی کمرے کے ایک طاق میں پہنچنے لگی جو پلنگ کے ایک پائے کی اوٹ میں ہونے کی وجہ سے اب تک تاریکی میں تھا۔ اب کھلی روشنی میں میری نظر ایک تصویر پر پڑی جو اب تک میری نظر سے اوجھل تھی۔ یہ ایک نوجوان لڑکی کی تصویر تھی جو بلوغ کو پہنچ رہی تھی۔ میں نے تصویر پر ایک نظر ڈالی اور پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے ایسا کیوں کیا۔ یہ بات اس وقت میں خود بھی نہ سمجھا یونہی آنکھیں بند کیے میں سوچنے لگا کہ ایسا کرنے کی وجہ کیا تھی۔ یہ ایک غیر اختیاری حرکت تھی جس کا مقصد مجھے کی مہلت لینا تھا۔۔۔ یہ اطمینان کرنا تھا کہ کہیں میری آنکھوں نے مجھے دھوکا تو نہیں دیا۔۔۔ میں چاہتا تھا طبیعت میں ٹھہراؤ پیدا ہو پھر اسے سنجیدگی اور یکسوئی سے پھر دیکھ سکوں۔ چند لمحوں کے بعد میں نے پھر ٹکٹکی باندھ کر اس تصویر کو دیکھنا شروع کیا۔

اس امر میں مجھے کوئی شبہ نہ رہا اور کبھی شبہ نہ ہوگا کہ جو کچھ میں نے دیکھا وہ درست تھا۔ اور شمع کی روشنی کی پہلی کرن کے تصویر پر پڑتے ہی وہ خواب گوں کیفیت جو میرے حواس پر طاری ہو رہی تھی جاتی رہی اور میں پھر ہوشیار اور چوکس ہو گیا۔

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ وہ تصویر ایک دوشیزہ کی تھی تصویر میں فقط سر اور شانے تھے۔ وہ تصویر ایسی تھی جسے اصطلاح میں نیم تصویر کہتے ہیں اس میں تصویر کے رنگ ہلکے ہوتے ہوئے پس منظر کے رنگ میں تحلیل ہو جاتے ہیں بازو، سینے، حتیٰ کہ چمک دار بالوں کے سرے بھی نامحسوس طور پر اس دھندلے

اور گہرے سائے میں گھل مل جاتے ہیں جو سامنی تصویر کا پس منظر بناتا ہے۔ یہ فریم بیضوی تھا، اس میں طلائی حاشیے تھے اور ہسپانوی مورصناعوں کی طرز میں طلائی کام ہو رہا تھا۔ بیضوی کا اس تصویر سے بہتر کوئی نمونہ ذہن میں نہ آسکتا تھا۔ یہ تصویر کشی کا کمال یا اس چہرے کا لافانی جمال نہ تھا جس نے مجھ پہ یکایک اتنا زبردست اثر کیا۔ اس بات کا امکان بہت بعید ہے کہ میرے خیال نے نیم خوابی کی کیفیت سے بیدار ہو کر اس تصویر کے سر کو کسی زندہ آدمی کا سر تصور کیا ہو۔ یہ طے ہے کہ اگر ایسا کوئی تاثر پیدا ہوا بھی ہوگا تو اس نقشے کی ندرتوں اسلوب اور فریم نے اسے فوراً زائل کر دیا ہوگا۔ بلکہ ایک لحظہ کے لئے بھی یہ خیال پیدا نہ ہونے دیا ہوگا۔ میں کوئی ایک گھنٹہ تک نیم دراز اس تصویر پہ نظریں جمائے پڑا رہا۔ آخر کار اس کے اثرات کا صحیح بھید پا کر میں بستر پہ لیٹ گیا۔ مجھ پہ یہ سحر طاری ہونے کی وجہ سے تھی کہ اس تصویر کے نقوش بالکل زندہ انسان کے سے نقوش تھے۔ انہیں دیکھ کر میں پہلے تو چونکا اور آخر میں متفکر اور مبہوت رہ گیا۔ میں نے احترام کے جذبے یا منظر کی ہیبت سے مغلوب ہو کر شمعدان کو اس کی پہلی جگہ پہ رکھ دیا اور وہ چیز جس نے میری طبیعت میں یہ ہیجان پیدا کیا تھا پھر میری نظر سے اوجھل ہو گئی۔ میں نے اس کتاب کو تلاش کیا جس میں ان تصویروں کی تشریح اور تاریخ درج تھی۔ سینیوی تصویر پہ جو نمبر دیا گیا تھا اس کے سامنے میں نے مبہم اور عجیب الفاظ میں ذیل کی تحریر پڑھی۔

"یہ دوشیزہ بے مثال حسن کا پیکر تھی اور حسین ہی نہیں بلکہ زندہ دلی سے کبھی متصف۔ وہ ساعت کتنی منحوس ساعت تھی جو میں نے مصور کو دیکھا

اس سے محبت کرنے لگی۔ اور آخر اس سے شادی کر بیٹھی۔ وہ شخص جذباتی تھا۔ محنتی تھا سنجیدہ اور فلسفی مزاج تھا اور اس کی ایک دلہن پہلے موجود تھی یعنی "مصوری" یہ وہ شیزہ بے مثال حسن کی مالک تھی اور جتنی حسین تھی اس سے زیادہ زندہ دل اس کے چہرے پہ ہمیشہ تابانی اور شگفتگی کھیلتی تھی اور وہ بچہ غزال کی طرح طرارے بھرتی تھی۔ وہ ہر چیز سے محبت اور دلبستگی رکھتی تھی۔ اسے صرف 'مصوری' سے نفرت تھی جو اس کی سوکن تھی۔ وہ صرف مصور کی لوح الوان اس کے موقلم اور دوسرے آلات تصویر کشی سے خائف و ترساں تھی جنہوں نے اس محبوب کا چہرہ اس سے چھین لیا تھا جب اس مصور نے اس پیکر جمال سے اس کی تصویر کھینچنے کی خواہش ظاہر کی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا لیکن وہ عجز پیشہ اور اطاعت کیش تھی اور بے چون و چرا کئی ہفتے تک اس تنگ و تاریک حجرے کے گوشے میں جہاں اوپر سے روشنی صرف اس زردی مائل کینوس پر پڑتی تھی جما بیٹھی رہی۔ لیکن وہ مصور اپنے ہی کام میں محو تھا اور یہ کام ساعت بہ ساعت روز بروز کھنچتا گیا۔ وہ شخص بہت جذباتی اور من موجی تھا۔ بس اپنے خوابوں میں کھو جاتا تھا۔ یہ دیکھ ہی نہ پاتا تھا کہ گوشۂ تاریک میں اس وحشت ناک طریقے پر جو روشنی پڑ رہی ہے۔ اس نے اس کی دلہن کی صحت اور زندہ دلی کو تباہ کر دیا ہے۔ سوائے اس کے ہر کوئی یہ دیکھ رہا تھا کہ وہ گھلی جا رہی ہے۔ لیکن وہ ماہ پیکر حرف شکایت لب پہ لائے بنا مسکراتی رہی، ہر ایک مسکراتی رہی کیونکہ اس نے دیکھا کہ مصور رحیں کی شہرت اکناف عالم میں پھیلی ہوئی تھی، اپنے کام میں کس خلوص سے مگن ہے اور اس سے خط بٹھاتا

ہے اور اس کی تصویر بنانے میں جو اس سے اس قدر محبت کرتی تھی
کہ روز بروز گھلی جا رہی تھی، دن رات محو رہتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جو لوگ
اس تصویر کو دیکھتے تھے وہ ہر گوشوں میں اس کی اصل سے مشابہت کی
تعریف کرتے تھے۔ اسے ایک عجوبہ قرار دیتے تھے۔ یہ ان کے نزدیک نہ صرف
مصور کی چابک دستی کا کمال تھا بلکہ اس حسینہ سے گہری محبت کا ثبوت
بھی جس کی اس نے بے مثال تصویر کھینچی تھی۔ لیکن جب تصویر اپنے
اختتام کو پہنچنے کو تھی لوگوں کو اس حجرے میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی کیونکہ
اب مصور کو سوائے تصویر کے کسی چیز کی ہوش نہ رہی تھی وہ کینوس سے شاذ
ہی کبھی اپنا سر اٹھاتا تھا اور اپنی محبوبہ وفادار کے چہرے پر بھی نظر نہ ڈالتا تھا
اسے یہ محسوس ہی نہ رہا تھا کہ وہ کینوس پر جو رنگ بکھیر رہا ہے وہ اس دوشیزہ
کے رخساروں سے آ رہے ہے جو اس کے قریب بیٹھتی ہے اور جب ہفتوں گزر
گئے اور کچھ کرنا باقی نہ رہا سوائے اس کے کہ چہرے پر موقلم کی ایک جنبش درکار تھی اور آنکھ
میں ایک جھلک پیدا کرنی تھی تو اس پیکر وفا کی روح بجھتے بجھتے بھی ایک بار جاگ اٹھی جس طرح
شمع دان میں شعلہ بھڑکتا ہے اب موقلم سے وہ نقش کھینچ دیا گیا اور وہ جھلک پیدا
کر دی گئی۔ مصور ایک لمحے تک اپنی تخلیق کو مسحور و مبہوت کھڑا دیکھتا رہا۔
لیکن اگلے ہی لمحے جب کہ وہ اس پر برابر نظریں جمائے ہوا تھا وہ یکایک کانپنے
لگا اور زرد ہو گیا۔ اور اس کا چہرا دہشت سے شل گیا اس نے چیخ کر کہا۔
ارے یہ تو زندہ ہے۔ اس میں تو جان ہے" اس کے بعد وہ اپنی محبوب کو دیکھنے کے لیے
یکایک پلٹا لیکن افسوس یہ سب بعد از وقت تھا۔ اس وقت تک اس پیکر ایثار کی روح جسم سے پرواز کر چکی تھی۔

مطبوعات شیش محل

قدیم تہذیب اور جدید انسان	ترجمہ: سید قاسم محمود	۳/۵۰
قدیم علوم اور جدید تہذیب	ترجمہ: سید ہاشمی فرید آبادی	-/۱
فلسفے کی نئی تشکیل	ترجمہ: انتظار حسین	-/۲
فلسفے کا نیا آہنگ	ترجمہ: بشیر احمد ڈار	۳/۵۰
مشرق و مغرب کو ملنا ہی پڑے گا	ترجمہ: سید ہاشمی فرید آبادی	۱/۷۵
کیا سائنس ہمیں بچا سکتی ہے؟	ترجمہ: کپتان عبدالواحد	۱/۷۵
آبادی کا مسئلہ	ترجمہ: شیلی ایم کام	۱/۵۰
خوراک کا مسئلہ	ترجمہ: " "	۱/۵۰
ثقافت کا مسئلہ	ترجمہ: سید قاسم محمود	-/۱
فرہنگ معاشیات	مرتبہ: سید قاسم محمود	۱/۲۵
گھاس کا سمندر	ترجمہ: " "	۱/۵۰
پنڈت نہرو	(ناولٹ) " "	۳/-

مطبوعات شیش محل

(زیر طبع)

جنس اور مزاج	ترجمہ: ڈاکٹر وارث علی
آپ کا غیر معمولی ذہین بچہ	ترجمہ: سید سبط حسن
فنون لطیفہ اور انسان	ترجمہ: سید عابد علی عابد
جینے کا فن	ترجمہ: سید رئیس احمد جعفری
بچوں کی زندگی کے چند نازک مرحلے	ترجمہ: سید ابوالحسن نعمتی
والدین کے ساتھ کس طرح رہنا چاہیے	〃 〃 〃 〃
قوت یادداشت کس طرح بڑھانی چاہیے	ترجمہ: شیر محمد اختر
خدا موجود ہے	ترجمہ: عبدالحمید صدیقی
لال نشان (ناول)	ترجمہ: سیدہ نسیم ہمدانی
فرہنگ موسیقی	مرتبہ: ادیب سہیل
علم کا مسئلہ	ترجمہ: شاہینہ انصاری
سانس کی بیماریوں کا علاج	ترجمہ: ابن انشا
۰۰ بصری تصویر	〃 〃 〃 〃
چرواہا اور ستارے	〃 〃 〃 〃
عطر فروش دوشیزہ کے قتل کا معما	〃 〃 〃 〃

آپ کے کتب خانے کی زینت کے لیے
فرینکلن پبلی کیشنز لاہور کی تازہ ترین کتابیں

مذہب :

خدا ہمارے ساتھ ہے	ترجمہ : مولانا صلاح الدین احمد	۱/۴۵
خدا موجود ہے	ترجمہ : عبدالحمید صدیقی	۶/۵۰

— اسلامیات —

اسلام اور قانونِ جنگ و صلح	ترجمہ : مولانا غلام رسول مہر	-/۹

— انسانیات —

مستقبل کا انسان	ترجمہ : سیّد قاسم محمود	-/۶
ثقافت کا مسئلہ	" " "	۱/۵۰
قدیم تہذیب اور جدید انسان	" "	۳/۵۰

— تاریخ —

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم ترجمہ : مولانا غلام رسول مہر

جلد اوّل -/۱۰ جلد دوم -/۱۲ جلد سوم -/۱۴

تاریخ بھی مرنے کی چیز ہے	ترجمہ : عبدالمجید سالک	۱/۵۰

— فرینکلن پبلی کیشنز لاہور —

عرب دنیا	ترجمہ : ڈاکٹر محمود حسین	۱۲/-
صلیبی جنگیں	ترجمہ : سید رئیس احمد جعفری	۵/-
سو تاریخی واقعات	ترجمہ : مولانا غلام رسول مہر	۷/-
حیوانی زندگی کا ماضی و حال	ترجمہ : ڈاکٹر نذیر احمد	۵/-
تاتاریوں کی یلغار	ترجمہ : عزیز احمد	۱۲/-
قدیم علوم اور جدید تہذیب	ترجمہ : سید ہاشمی فرید آبادی	۱/-

— سوانح عمری —

آئن سٹائن کی کہانی	ترجمہ : سید رئیس احمد جعفری	۴/-
چنگیز خاں	ترجمہ : عزیز احمد	۶/-
سقراط	ترجمہ : آنسہ صبیحہ حسن	۶/۵۰
غریب لڑکے جو نامور ہوئے	ترجمہ : مولانا عبدالمجید سالک	۴/-
لڑکیاں جو نامور ہوئے	ترجمہ : اختر عزیز احمد	۵/-
نور محل (طبع دوم)	ترجمہ : شبلی ایم کام و حبیب اشعر دہلوی	۷/۵۰
سلیمان عالیشان	ترجمہ : اختر عزیز احمد	۸/۵۰
سو بڑے آدمی	ترجمہ : عبدالمجید سالک	۵/-
ایڈیسن	ترجمہ : محمد سعید	۳/۵۰
چند عظیم علمائے جرائم	ترجمہ : عبدالمجید قریشی	۱۰/-
غلامیاں تہذیب	ترجمہ : سید ہاشمی فرید آبادی	۵/-
مشہور موجد اور ان کی ایجادیں	ترجمہ : ابوالحسن نغمی	۲/۷۵

— فرینکلن پبلی کیشنز۔ لاہور —

سائنس

آنکھوں سے کام لیجیے	ترجمہ: محمد سعید	۱/۵۰
ہوا کی کہانی	ترجمہ: مسعود احمد خاں	۱/۲۵
بچوں کے لیے سائنسی تحقیق کی نئی راہیں	ترجمہ: محمد فاروق	۲/۵۰
تمہارا جسم کیونکر کام کرتا ہے	ترجمہ: خلیق ابراہیم خلیق	۴/۵۰
ریڈیو اور ٹیلی ویژن	ترجمہ: ذوالفقار علی بخاری	۴/۵۰
عجائبات کیمیا	ترجمہ: محمد فاروق	۴/۵۰
سائنس کے نئے افق	ترجمہ: سید علی ناصر زیدی	۵/-
سمندروں کی دنیا	ترجمہ: ڈاکٹر نذیر احمد	۴/۵۰
کیمیا کے رومان	ترجمہ: پروفیسر حمید عسکری	۵/-
جوہری توانائی اور اس کا مستقبل	ترجمہ: پروفیسر محمود احمد خاں	۴/۵۰
دنیا پر پہلی نظر	ترجمہ: سیدہ نسیم ہمدانی	۱/۵۰
زمین کی سرگزشت	ترجمہ: سید علی ناصر زیدی	۴/-
سائنس باتوں باتوں میں	" " "	۴/-
ستاروں کی دنیا	" " "	۵/-
سائنس کی حیرت انگیز باتیں	" " "	۲/۵۰
مصنوعی سیارچہ	" " "	۲/۵۰
سائنس کے تجربات	ترجمہ: ڈاکٹر عبدالسلام خورشید	۵/-

فرینکلن پبلی کیشنز۔ لاہور

خلا میں سفر کی پہلی کتاب ترجمہ: مولانا غلام رسول مہر ۲/۵۰

ـــــ بنیادی سائنس کا سلسلہ ـــــ

انسانی مشین ترجمہ: مولانا صلاح الدین احمد ۱/۵۰

آواز " " ۱/۵۰

پرندے " " ۱/۵۰

پھول پھل اور بیج " " ۱/۵۰

چاند " " ۱/۵۰

حرارت " " ۱/۵۰

روشنی " " ۱/۵۰

زندہ اشیاء " " ۱/۵۰

کشش ثقل " " ۱/۵۰

کیڑوں کی سماجی زندگی " " ۱/۵۰

مٹی " " ۱/۵۰

مشینیں " " ۱/۵۰

مقناطیس " " ۱/۵۰

موسم " " ۱/۵۰

ـــــ فنی معلومات ـــــ

بجلی کی پہلی کتاب ترجمہ: سید علی ناصر زیدی ۲/۵۰

ـــــ فرنیکلن پبلی کیشنز لاہور ـــــ

ٹیلیفون کیسے کام کرتا ہے	ترجمہ: خلیق ابراہیم خلیق	۱/۲۵
طیاروں کی پہلی کتاب	ترجمہ: غلام رسول مہر	۲/۵۰
موٹروں کی پہلی کتاب	" " "	۲/۵۰

— معاشیات —

عظما کے معاشی نظریات	ترجمہ: ڈاکٹر ایس ایم اختر	۶/-
آبادی کا مسئلہ	ترجمہ: سبلی ایم کام	۱/۵۰
خوراک کا مسئلہ	" " "	۱/۵۰

والدین اور اساتذہ کی رہنما کتابیں

آپ کے بچے کی وراثت	ترجمہ: شاہد احمد دہلوی	۱/-
بچوں کی بدتمیزیاں	" " "	۱/۵۰
بچوں کے کھیل	" " "	۱/۵۰
بچے کی اخلاقی قدریں	" " "	۱/۵۰
کامیاب باپ (بار سوم)	" " "	۱/۵۰
معاشرتی زندگی میں بچوں کی رہنمائی	" " "	۱/۵۰
والدین اور معلمین	" " "	۱/۵۰

— طب اور صحت —

بچہ اور اس کی دیکھ بھال	ترجمہ: ڈاکٹر محمد عبدالقوی نعمان	۶/۵۰
میرے اندر کیا ہے	ترجمہ: غلام رسول مہر	۱/۵۰

فرینکلن پبلی کیشنز۔ لاہور

آپ کے بچے کی صحبت — ترجمہ: شاہد احمد دہلوی — ۱/۶۲

بیماری کے جذباتی اور نفسیاتی پہلو — ترجمہ: وقار عظیم — ۱/۶۲

— فلسفہ —

داستانِ فلسفہ — ترجمہ: سید عابد علی عابد

جلد اوّل -/۸ جلد دوم -/۸

ناقابلِ تسخیر ذہن انسانی — ترجمہ: محمد صفدر میر — ۲/۵۰

فلسفے کی نئی تشکیل — ترجمہ: انتظار حسین — ۱/-

فلسفے کا نیا آہنگ — ترجمہ: بشیر احمد ڈار — ۳/۵۰

مشرق و مغرب کو ملنا ہی پڑے گا — ترجمہ: سید ہاشمی فرید آبادی — ۱/۷۵

آدمی کی انسانیت — ترجمہ: مولانا محمد بخش مسلم — ۷/۵۰

— فنونِ لطیفہ —

شاہکار تصاویر — ترجمہ: سید امتیاد علی تاج — ۷/۵۰

— علم سیاست —

اقوامِ متحدہ — ترجمہ: فضل حق قریشی — ۴/۵۰

امریکا کا سیاسی نظام — ترجمہ: مولانا صلاح الدین احمد — ۳/۵۰

— جغرافیہ اور سیاحت —

عرب اور اہلِ عرب — ترجمہ: غلام رسول مہر — ۶/-

نیویارک سے پیرس تک پہلی پرواز — ترجمہ: گروپ کیپٹن فیاض محمود — ۳/۵۰

— فرینکلن پبلی کیشنز۔ لاہور —

یہ ہے شمالی افریقہ	ترجمہ : سید عابد علی عابد	۲/۵۰

تعلیم و تعلم

آزاد تعلیم اور جمہوری نصب العین	ترجمہ : وقار عظیم	۳/-
بچے کی تعلیم میں گھر اور مدرسے کا تعاون	ترجمہ : فضل محمد خاں	۸/-
تعلیم کے مقاصد	ترجمہ : ڈاکٹر سید عبداللہ	۵/۵۰
مدرسے کی زندگی میں بچے کی رہنمائی	ترجمہ : وقار عظیم	۱/۶۲

ناول۔ افسانے اور ڈرامے

انجان راہی	ترجمہ : شان الحق حقی	۳/۵۰
بادبان	ترجمہ : سید قاسم محمود	۶/-
بشر ہے کیا کیے	ترجمہ : سید عابد علی عابد	۶/۵۰
بھلا خون	ترجمہ : غلام حسین	۲/۵۰
چنگیز خاں کے سنہرے شاہین	ترجمہ : اشفاق احمد	۶/-
دھوپ چھاؤں	ترجمہ : ولی اشرف صبوحی	۷/-
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے	ترجمہ : سید رئیس احمد جعفری	۲/۵۰
شہر پناہ	ترجمہ : ابن انشا	۲/۵۰
گھاس کا سمندر	ترجمہ : سید قاسم محمود	۱/۵۰
قیامت کی رات	ترجمہ : سید عابد علی عابد	۷/-
مفرور	ترجمہ : سید رئیس احمد جعفری	۸/-

فرینکلن پبلی کیشنز۔ لاہور

ننھی بیبیاں	ترجمہ: محمد عباس اعتیاز علی	۵/۵۰
نئے پرانے	ترجمہ: محمد یوسف عباسی	۴/-
ہمیں چراغ ہمیں پروانے	ترجمہ: قرۃ العین حیدر	۱۰/-
پریشان ہے دل	ترجمہ: نفیسی رامپوری	۶/-
انوکھی کہانیاں	ترجمہ: شاہد احمد دہلوی	۵/-
بڑا دریچہ	ترجمہ: ولی اشرف صبوحی	۲/۵۰
پاپ کی نگری	ترجمہ: سیدہ نسیم ہمدانی	۶/-
حیرت ناک کہانیاں	ترجمہ: شاہد احمد دہلوی	۴/-
خزانے کی تلاش	ترجمہ: شبلی ایم کام	۲/۵۰
سو برس کے ساتھ ساتھ	ترجمہ: عشرت رحمانی	۶/۵۰
قصص الحمراء	ترجمہ: وقار عظیم	۶/۵۰
لاکھوں کا شہر	ترجمہ: ابن انشا	۳/۵۰
ایک حمام میں	ترجمہ: عشرت رحمانی	۳/-
پھول کی پتی ہیرے کا جگر	ترجمہ: ہلال احمد زبیری	۶/-
سانس کی پھانس	ترجمہ: ابن انشا	۱/-
ہیبتی تصویر	" "	۱/-
چہ دلاور است دزدے	" "	۱/-
عطر فروش دوشیزہ کے قتل کا معمہ	" "	۱/-

فرینکلن پبلی کیشنز پوسٹ بکس نمبر ۳۶۹ - لاہور

وہ بیوی تھی یا صیاد

شاہکار افسانوں کا سلسلہ (۲)